سورۃ سبا

کی حکیمانہ انقلابی تفسیر

مرتب
استاذ العلماء علامہ غلام مصطفیٰ قاسمی

مقدمہ

اللہ تعالیٰ نے انسانیت کو تمام شرائع کا مرکز بنایا ہے۔ انسانیت ایک ایسے قدرتی سر وسامان کا نام ہے، جسے انسان پیدائشی طور پر ساتھ لاتا ہے۔ اس جوہر کو پایہ تکمیل پر پہنچانے کے لئے مل جل کر کام کرنے کا شوق پیدا ہوتا ہے اور انسان کو مل کر کام کرنے کے لئے فطرت مجبور کرتی ہے۔ اگر کوئی حکیم یا نبی اجتماعیت کی تعلیم نہ دیتا، پھر بھی انسان اپنی فطرت کے تقاضا کی وجہ سے ایسا ہی کرتا۔

انسانیت کی تعریف تاریخ کی روشنی میں :

زبان ایک فطری اجتماعیت کا مرکز ہے۔ ایک زبان بولنے والے لوگوں میں فطری طور پر یکسانیت پیدا ہو جاتی ہے۔ ابتدائے آفرینش سے لیکر انسان کی تہذیبی زندگی میں زبان انسانی اجتماعیت کا ایک بڑا ذریعہ رہی ہے۔ قرآن مقدس میں مختلف زبانوں اور رنگوں پر غور کرنے کا حکم ہے، کیونکہ ان کے اندر خداوند قدوس کی بہت ساری نشانیاں ہیں۔ مختلف ملکوں کے لئے مختلف زبانیں، مخصوص فلسفہ اور مخصوص حکمت رہتی چلی آرہی ہیں۔ اسلام جیسا بین الاقوامی مذہب ان حقائق کا انکار نہیں کرتا۔ یونان کی حکمت، جسے کافی شہرت حاصل ہے، اس کا بڑا مرکز قسطنطنیہ تھا۔ قاہرہ حکمت یونانی کا ثانوی مرکز ہے۔ وہاں سے اس کا ایران سے تعلق پیدا ہوتا ہے۔ قسطنطنیہ کو جب مسلمانوں نے فتح کیا تو اس حکمت یونانی کا عربی میں ترجمہ ہوا اور مسلمانوں کے ہاتھوں میں اس نے پرورش پائی۔ اس طرز کی حکمت ہندوستان میں بھی موجود تھی۔ جس کا دوسرے ہزار سن میں فارسی زبان میں ترجمہ ہوا۔ لیکن ہندوستانی حکمت سے ایسی نفرت پیدا کی گئی ہے کہ اسے نجس سمجھا گیا۔ کیا یونان کی حکمت اس لئے پاک تھی کہ اس کا عربی میں ترجمہ ہوا؟ اور عام طور پر یہ کہا جاتا ہے کہ ہم یونانی منطق اور فلسفہ کو اس لئے پڑھتے ہیں کہ اس کو سمجھ کر اس کا رد لکھیں! یا یہ کہا جاتا ہے کہ حکمت یونانی کے سمجھنے پر علم کلام (جو کہ فقہ کا حصہ ہے) کا دارومدار ہے۔ اگر اس عذر کو تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ عذر ہندوستانی حکمت سے متعلق بھی ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ غزنی میں جو فقہ مدون ہوئی اس کا مدار ہندوستانی حکمت پر ہے۔

ابوریحان بیرونی جو ایک بلند پایہ فیلسوف تھے، ہندوستان آتے ہیں اور یہاں کی ریاضی، فلاسافی، طب و ویدانیت کی حکمت سالہا سال تک پنڈتوں کے پاس رہ کر حاصل کرتے ہیں۔ انہوں نے ''کتاب الہند'' نامی کتاب لکھی ہے۔ اس کتاب میں انہوں نے مستشرقین کے لئے ان علوم کو جمع کیا ہے جو خصوصی طور پر ہندوؤں کے پاس تھے۔ وہ سلطان محمود غزنوی کے ہم عصر تھے۔ شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے زمانے میں ایک محقق عالم سید غلام علی بلگرامی گذرے ہیں۔ انہوں نے بھی البیرونی کے طرز پر ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ''سبحۃ المرجان فی آثار ہندوستان'' ہے۔ اس کتاب میں خاص طور پر اس بات کا ذکر ہے کہ عربی لغت تمام زبانوں میں خصوصی امتیاز کی حامل ہے۔ اس میں اعلیٰ افکار آجاتے ہیں۔ اسے ہر عام و خاص سمجھتا ہے۔ اس نکتہ کی تشریح میں پہلے ہزار سال کے پچھلے پانچ صد سالوں میں صرف اس بات پر زور تھا کہ قرآن مقدس کا اعجاز بلاغت سے متعلق ہے۔ اس انداز پر بہت سی تفسیریں لکھی گئیں۔ ان میں ''کشاف'' خاص طور پر قابل ذکر ہے۔ علامہ زمخشری بلاغت کے بڑے امام ہیں۔ انہوں نے اپنی پوری بصیرت اس پر صرف کی ہے کہ عربی زبان میں تمام زبانوں کے مقابلے میں زیادہ نازک قواعد ہیں۔ سید غلام علی بلگرامی لکھتے ہیں کہ سنسکرت بھی اسی طرح وسیع زبان ہے۔ سید صاحب نے سنسکرت میں سے بلاغت کے چند نئے نکات لے کر انہیں عربی اشعار میں بیان کیا ہے۔ وہ دونوں زبانوں کا احترام کرتے ہیں۔

نکتہ :

عربی میں جس طرح واحد کے لئے علیحدہ، دو کے لئے علیحدہ اور جمع کے لئے الگ صیغے استعمال ہوتے ہیں، اسی طرح سنسکرت کے لئے بھی سید صاحب نے لکھا ہے کہ وہ تینوں صیغے استعمال ہوئے ہیں۔ دوسری کسی زبان میں اس طرح نہیں ہے۔ لیکن سنسکرت میں زائد بات یہ ہے کہ اس میں خنثیٰ (نر اور مادہ کا مشترک ہونا) کے لئے الگ صیغہ استعمال ہوتا ہے۔ اسی طرح قدیم ایرانی زبان اور سنسکرت بھی ایک ہی چیز ہیں۔

جملہ معترضہ :

سید غلام علی، شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہم عصر تھے۔ ان کے قریبی عزیز و رشتہ دار سید مرتضیٰ زبیدی حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کے شاگرد ہیں۔ انہوں نے ایک کتاب لکھی ہے جس کا نام ہے ''عقود الجواہر المنیفہ فی مسند امام ابی حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ''۔ عام طور پر یہ ہوتا رہا ہے کہ مطبوعہ مسند کو لے کر امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ پر اعتراضات کئے جاتے ہیں۔ جبکہ حقیقت یہ ہے کہ مذکورہ کتاب امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی لکھی ہوئی نہیں ہے،

بلکہ دوسرے چودہ علماء نے لکھی ہے۔ سید مرتضٰی زبیدی نے ان مسانید میں سے ایک مسند کا انتخاب کیا ہے اور اس میں یہ شرط لکھی ہے کہ وہ، جو روایت پانچ صحیح کتابوں کے مطابق ہوگی، وہ اس میں شامل کریں گے۔ قدیم حنفی حدیث کی کتابوں کو ایک درجہ پر رکھ کر پھر حدیث کا حل لکھتے ہیں اور اپنے مذہب کی تائید میں کسی بھی حدیث کی کتاب سے ایک حدیث کو دوسری حدیث کے مقابلے میں رکھ کر تاویل وغیرہ کی مدد سے ترجیح دیتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ حدیث کی کتاب ابن ماجہ کو صحاح میں شامل کیا گیا ہے۔ لیکن ہمارے امام ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ اس طریقہ کار کے مخالف ہیں۔ وہ ابن ماجہ کو صحاح میں شامل نہیں فرماتے بلکہ مؤطا امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کو شامل کرتے ہیں اور اسے اصح الکتب بعد القرآن قرار دیتے ہیں۔ ابن ماجہ کا اہتمام اس لئے کیا گیا ہے کہ اس میں حنفی مذہب کے اکثر مسائل کے موافق احادیث پائی جاتی ہیں۔ ❶

چشتی خاندان ہندوستان میں اسلام کا بانی ہے :

ہندوستان میں اسلام خواجہ معین الدین اجمیری رحمۃ اللہ علیہ ، خواجہ قطب الدین شیخ شکر گنج خواجہ، نظام الدین اولیاءؒ اور دیگر بزرگوں کی دعوتی طاقت پر قائم ہوا۔ ان بزرگوں کو پنڈتوں اور پروہتوں کے پاس بھی جانا پڑا، اور ان کے ساتھ بڑے علمی مناظرے بھی ہوئے۔ اخلاقی لحاظ سے ان کا کوئی مدمقابل ہی نہ تھا۔ چنانچہ ویدانت کے بنیادی مسئلہ وحدۃ الوجود پر مبنی استدلال کی بناء پر جو اسلام کے لئے انہوں نے کام کیا وہ طریقہ بھی بڑا مفید رہا۔

بایزید بسطامی کے استاد ایک سندھی تھے :

سندھ کا ایک ہندو سندھ سے بغداد گیا۔ وہاں شیخ بایزید کے ہاتھوں پر اسلام قبول کیا۔ اس کا اسلامی نام ابو علی کنیتہ سے مشہور ہے۔ بایزید بسطامی رحمۃ اللہ علیہ رقمطراز ہیں کہ الحمدللہ (سورہ فاتحہ) میں نے انہیں سکھائی اور توحید (وحدۃ الوجود) کے مسئلہ میں وہ میرے استاد ہیں۔ انہوں نے مجھے یہ مسئلہ (وحدۃ الوجود) سکھایا ہے۔ وجودی تصوف جو اصل ہندوستان سے ملتا ہے، اسے مہذب طریقہ پر مسلم اولیاء نے پیش کیا۔ اس سلسلہ کو حضرت بایزید بسطامیؒ پر ختم سمجھا جاتا ہے۔ اس سلسلہ کے درمیان میں شیخ ابوالحسن خرقانی رحمۃ اللہ علیہ بھی ہیں۔ درمیان میں ایک دوسرے بزرگ بھی ہیں، جسے سلطان محمود غزنوی رحمۃ اللہ علیہ ہندوستان میں سومنات (مندر) کی طرف ساتھ

---

❶ مولانا سندھی رحمۃ اللہ علیہ حنفی مذہب پر زیادہ زور دیتے تھے۔ لیکن حدیث یا فقہ حنفی کو سمجھنے کے لئے امام شاہ ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے طریقہ پر زور دیتے تھے۔ امام سندھی نے مذکورہ افکار کی تشریح اپنی کتاب ''شاہ ولی اللہ اور ان کا فلسفہ'' میں عمدہ انداز میں بیان فرمائی ہے۔ (مرتب)

لے گئے تھے۔ الغرض ہندوستان میں حکمت موجود تھی، چنانچہ غزنی وغیرہ میں ہندوستانی حکمت کا پہلے درجہ کا اثر ہے۔ دوسرے درجہ پر یونانی حکمت کا ہے۔ [1]

بڑی قوم کسے کہا جائے؟

جو قوم بھی انسانیت کے مرتبہ کی داعی ہے، (وہ اس بنا پر کہ) ان کے پاس اپنی زبان ہے، ان کا دعویٰ ہے کہ ہمیں اپنے آباؤاجداد سے اجتماعی سوشیالوجی کے کچھ طریقے ملے ہیں، یعنی تہذیبی طور پر تاریخی پسمنظر ہے، وہ بڑی قوم ہے۔ انسانیت کی خصوصیت زبان اور طبعی فکر ہے۔ زبان بڑی حکمت کی چیز ہے۔ یعنی آیات من آیات اللہ ہے۔ اس حقیقت کو سمجھنے سے انسانیت کو سمجھنا آسان ہو جائے گا۔ بڑی قومیں جن کے پاس اپنی زبان اور اپنا اجتماعی فکر ہے سات ہیں۔

(۱) چینی بڑی قوم ہے۔ ان کے پاس اپنی زبان ہے۔
(۲) ہندوستان۔ ان کی اپنی ایک بڑی زبان ہے، جس کی آٹھ دس شاخیں ہیں۔
(۳) ایران۔ (افغانستان کا کچھ حصہ ایران سے لیا گیا ہے اور کچھ ہندوستان کا قومی طور پر ان میں شامل ہے)۔
(۴) بخارا۔ اسے توران بھی کہا جاتا ہے۔
(۵) عرب۔ ایک مستقل قوم ہے۔
مغرب میں دو بڑی قومیں ہیں۔
(۶) حبش۔ جنوب میں ہے۔
(۷) یونان شمال میں ہے، جسے فرنگستان بھی کہا جاتا تھا۔ اب اسے یورپ کہا جاتا ہے۔

انسانیت کی یہ سات بڑی سوسائٹیاں ہیں، جنہیں شاہ رفیع الدین ولد امام ولی اللہ نے ''تکمیل الاذہان'' میں بیان فرمایا ہے۔

بڑی قوم کا دعویٰ:

ہر بڑی قوم کا یہ دعویٰ ہے کہ ہماری زبان مستقل ہے۔ ہمارا ایک اپنا فکر ہے، جو ہمیں آدم علیہ السلام سے ورثے میں ملا ہے۔ حتیٰ کہ ہر قوم یہ بھی کہتی ہے کہ آدم علیہ السلام ہمارے پاس آئے۔

---

[1] وحدۃ الوجود امام شاہ ولی اللہ کے فلسفہ کا بنیادی مسئلہ ہے۔ حضرت امام رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے فلسفہ میں مسئلہ مذکورہ کو تجلی کے ذریعے اس طرح حل کیا ہے کہ محی الدین ابن عربی رحمۃ اللہ علیہ اور امام ربانی رحمۃ اللہ علیہ کے مسئلہ وحدت الوجود اور وحدۃ الشہود کے درمیان اختلاف دور ہو جاتا ہے۔ (مرتب)

شرح حدیث ابن عباس رضی اللہ عنہ :

حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سات زمینیں پیدا فرمائی ہیں۔ ہر ایک زمین پر آدم علیہ السلام ہے، آپ کے آدم علیہ السلام کی طرح۔ نوح علیہ السلام ہیں، آپ کے نوح علیہ السلام کی طرح۔ حتیٰ کہ نبی کریم ﷺ نے اپنے لئے فرمایا کہ نبی کنبیکم ۔۔۔ یعنی آپ کے نبی کی طرح ان کے پاس نبی ہیں۔ مذکورہ حدیث کی شرح مولانا محمد قاسم نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''تحذیر الناس'' نامی کتاب میں لکھی ہے۔ مولانا عبدالحئ صاحب لکھنوی نے بھی تحریر کیا ہے۔ کئی ناسمجھ علماء نے ان بزرگوں پر مذکورہ حدیث کی بناء پر کفر کا فتویٰ بھی لگایا ہے۔ تاآنکہ حدیث کے راویوں تک کو بھی کافر کہنے لگے۔ عالم مثال جسے یونان یا ہندوستان کے حکماء بھی مانتے ہیں، اس کے حوالے سے حدیث مذکورہ کا جواب آسان ہے۔ سوال یہ ہے کہ اس دنیا میں بھی کوئی نبی کریم ﷺ جیسا ہو سکتا ہے یا نہیں؟ اگر کوئی یہ عقیدہ رکھتا ہے تو وہ کافر ہے یا نہیں؟ ہماری ذاتی رائے یہ ہے کہ مذکورہ حدیث میں تبلیغ کی طرف رغبت کی خاطر کہا گیا ہے کہ ہر قوم اپنا دعویٰ رکھتی ہے کہ ہمارے پاس آدم علیہ السلام یا ان جیسے دوسرے مصلح آئے اور ہمارا مصلح اپنا ہے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ کے فرمان کا مطلب یہ ہے کہ آپ اسلام کا انٹرنیشنل پروگرام لے کر دنیا میں تبلیغ کریں۔ قومیں آپ کی بات مانیں گی۔ اسلام ان تمام قوموں کے صحیح افکار کا جامع ہے۔ اس فکر کا دعویٰ تو وہ خود بخود کر رہے ہیں۔ سات زمینوں سے مراد مذکورہ سات قومیں لینا چاہئے۔

مذکورہ سورہ کی ایک آیت ہے۔ وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ (۳۴:۲۸) یعنی ہم نے تمہیں تمام انسانوں کے لئے رسول بنا کر بھیجا ہے۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کا یہ دوسرا درجہ ہے۔ پہلے درجے میں آپ ﷺ عرب کے سلسلہ کے رسول اور خاتم نبی ﷺ ہیں۔ یہ درجہ قومی رسالت کا تھا۔ دوسرے درجہ میں تمام انسانوں کے لئے رسول اور خاتم نبی ﷺ ہیں۔ نبی کریم ﷺ کی رسالت کے ان دونوں درجات کو حضرت امام ولی اللہ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ نے ''حجۃ اللہ البالغہ'' میں بیان فرمایا ہے۔

سورۃ سبا کا مطلب :

عام لوگوں کا خیال ہے کہ عرب ایک مستقل قوم نہیں ہے۔ وہ ایک خانہ بدوش اور بدو قوم ہے۔ ان کا بنیادی طور پر کوئی تمدن نہیں ہے۔ عرب بعد میں قوم بنی ہے۔ اگر ایسا ہو تو پھر قرآن مقدس حکمت سے بھرپور کتاب کا پہلا مخاطب انہیں کیوں بنایا جارہا ہے؟ ایسے اور اس قسم کے دیگر سوالات اٹھتے ہیں۔ جن کے رد کے لئے یہاں عرب کی بڑی قوم ہونے کے ثبوت اور ان کے تمدن کا ذکر بیان ہوگا۔ عقل یہ کیونکر تسلیم کرے گی کہ جبکہ عربی زبان ایک

بڑی زبان ہے اور حکمت والی چیز ہے، تو اس کے بولنے والے حکمت سے خالی کیسے ہو سکتے ہیں؟ حجاز کے شمال میں شام ہے اور جنوب میں یمن ہے۔ سورۃ الایلاف میں ان کا ذکر ہے۔ شام بڑی تمدن کا مرکز ہے۔ اسرائیلی مرکز پورا شام میں ہے۔ ان کی زبان عبری ہے۔ عبری اور عربی ایک ماں کی دو بیٹیاں سمجھنی چاہئیں۔ گو کہ ان دونوں کا رسم الخط ایک دوسرے سے مختلف ہے۔ لیکن تلفظ اور بولنے کا انداز ایک ہے۔ مثال کے طور پر عربی میں ''جمل'' ہے تو عبری میں ''گیمل'' آتا ہے۔ وغیرہ وغیرہ۔

یمن میں بھی مستقل تمدن ہے۔ عرب قوم کے قبائل کے دو جد امجد گذرے ہیں۔ ایک عدنان دوسرا قحطان۔ عدنان اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے ہیں۔ توراۃ مقدس میں ان کا بیان ہے۔ عدنانی قوموں نے اپنا مرکز شام کو بنایا۔ بنو امیہ کے زمانہ میں عبری قومیں اسلام قبول کر کے مسلمانوں کے ساتھ شامل ہو گئیں۔ قحطان یمنی قوموں کے جد امجد ہیں۔ سبا یمنی قوم ہے۔ سبا بن یشعب بن یعرب بن قحطان کی اولاد میں ہیں۔ یمن ملک کی تمدنی لحاظ سے ایک مستقل تاریخ ہے۔ سبا قوم کی بھی ایک لمبی داستان ہے۔ یمن عرب کا بڑا متمدن علاقہ ہے۔ حجازی تحریک دونوں (شام اور یمن) کو جمع کرتی ہے۔ حجازیت دونوں کے مجموعے کا نام ہے۔ ان کی مرکزی کمیٹی کو مہاجرین اور انصار کہا جاتا ہے۔ قرآن مقدس کے پہلے مخاطبین بھی وہی ہیں۔ امام ولی اللہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ ''ازالۃ الخفاء'' کی تحقیق کے مطابق قرآن حکیم جس زمانہ میں نازل ہوتا ہے، اس دور میں انسانی تاریخ دو مراکز میں بٹ گئی تھی۔ ایک کسریٰ اور دوسرا قیصر۔ کسریٰ ایران کے شہنشاہ تھے۔ ان کا مذہب مجوس تھا۔ قیصر روم کے شہنشاہ تھے۔ ان کا دین عیسائیت تھا۔ اس کے بعد شاہ صاحب دونوں کے عوارض کا ذکر کرتے ہوئے فرماتے ہیں۔ قرآن شریف کا اصل مطلب یہ تھا کہ شہنشاہیت کا خاتمہ کر کے الٰہی قانون جاری کر دیا جائے۔ عوام پر سے بادشاہت کے مظالم کا خاتمہ کیا جائے۔ قرآن مقدس ان دونوں مراکز کی اصلاح کے توسط سے پوری دنیا کے اصلاح کا پروگرام بناتا ہے۔ اس بات کو ہم امام ولی اللہ کے لئے الہام مانتے ہیں۔ اس کا ذکر امام ولی اللہ سے پہلے کسی عالم دین نے نہیں کیا۔

مکہ مکرمہ کی سوسائٹی :

مذکورہ بالا علمی تحقیق کی رو سے مکہ مکرمہ کی سوسائٹی تین حصوں میں تقسیم تھی۔ ایک جماعت کو تو قرآن شریف مشرکین کے نام سے ذکر کرتا ہے۔ ان کا طبعی رجحان و میلان کسریٰ کی طرف تھا۔ ان کے سردار ابو جہل تھے۔ اگر ان میں کوئی سیاسی خیال تھا اور یقیناً تھا تو یہ کہ وہ کسریٰ کی موافقت سے اپنا سیاسی غلبہ چاہتے تھے۔ دوسری طرف مکہ کی وہ جماعت تھی جو پہلے دین حنیفی کے پیروکار تھی اور بعد میں نصاریٰ کے دین کو اختیار کیا۔ جیسا کہ ورقہ

بن نوفل، جس کا ذکر بخاری شریف میں ہے۔ اس جماعت کا طبعی رجحان روم کی طرف تھا اور وہ ان کی موافقت سے ترقی کے خواہاں تھے۔ تیسری جماعت قریش کی تھی، جسے حنفاء کہا جاتا ہے۔ یعنی ابراہیمی مسلک کو زندہ کرنے والے، اور نبی کریم ﷺ اس جماعت کے ایک فرد تھے۔ یہ جماعت اللہ تعالیٰ کے حکم کی منتظر تھی۔ جب نبی کریم ﷺ پر وحی نازل ہوتی ہے تو مذکورہ جماعت کے افراد جلد ہی اسلام کو قبول کرتے ہیں اور نبی کریم ﷺ کی رسالت کو تسلیم کرتے ہیں۔ مشرکین اپنی گمراہی پر جمے رہے۔ ترمذی شریف میں ایک حدیث ہے کہ رسول کریم ﷺ نے مشرکین سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ آپ اگر ایک بات مانیں گے تو عجمی آپ کے باجگذار ہوں گے۔ مطلب یہ ہے کہ آپ عجم پر غلبہ حاصل کریں گے۔ ابوجہل نے پوچھا کہ وہ کونسی بات ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا: لاالٰہ الااللہ۔۔۔ یعنی اللہ کے سوا دوسرا کوئی حاکم اور بادشاہ نہیں ہے۔ یہ کلمہ دین حنیفی کا عنوان تھا۔ مطلب یہ کہ اپنے آباء واجداد کے فکر سے رشتہ جوڑیں۔ کسریٰ و قیصر سے تعلق ختم کردیں۔ یہ بات ابوجہل کو پسند نہ آئی۔ کیونکہ اس کا خیال یہ تھا کہ ہر ملک کا ایک الگ بادشاہ ہونا چاہئے اور اسے ملک میں مکمل اختیارات حاصل ہوں، جس کے ذریعہ ملک کو روندتا رہے۔

اَجَعَلَ الْاٰلِهَةَ اِلٰهًا وَّاحِدًا یعنی مختلف حکمرانوں کے بدلے ایک کو حکمران بناتا ہے۔

غرض کہ قرآن مقدس قیصر و کسریٰ کو شکست دے کر دنیا میں اپنا حکم جاری کرنا چاہتا ہے۔ قرآن حکیم کی دو سورتوں عنکبوت اور روم میں خاص طور پر ایران اور روم کا ذکر آتا ہے۔ معلوم ہوا کہ قرآن مقدس کا اولین خطاب سمجھدار حنفاء سے ہے، جنہیں مہاجر کہا جاتا ہے۔ انصار بھی ان کے ساتھ ملحق ہیں۔ مہاجرین اور انصار دونوں علمی نام ہیں۔ مہاجر یعنی قریش۔ وہ عراق سے شام میں آئے۔ قریش کا آبائی مرکز شام ہے۔ بیت المقدس اسحاق علیہ السلام کی مسجد ہے۔ قریش کا دوسرا مرکز مکۃ المکرمہ ہے۔ انصار یمنی قوم ہے۔ [1] عرب قوم تو پہلے دیگر اقوام کی مانند ایک قوم ہے، جس کے پاس مستقل تمدن ہے۔ اس کے بعد تمام قوموں کا مرکز ہے۔ اس کے ثبوت کے لئے اس سورۃ میں دو فصل رکھے گئے ہیں۔ ایک وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ والی آیت سے شروع ہوتا ہے۔۔۔۔۔ اس میں شام کی عبری قوم کا ذکر ہے۔ دوسرا فصل لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ سے شروع ہوتا ہے۔ اس میں یمنی قوم کا ذکر ہے۔ سورۃ کے شروع میں عمومی اصول مذکور ہیں۔ اس کے بعد دونوں قوموں کا ذکر آئے گا۔

---

[1] انصار کی یمنی شناخت کیلئے مطالعہ کیجئے ''تاریخ الجامع اللطیف فی فضل مکه واهلها''۔ اس میں یمن کے بادشاہ تُبّع کا سیر کیلئے مدینہ منورہ میں آنا، خوارق عادات کا دیکھنا، اور چند حکما کا تبع سے الگ ہو کر مدینہ کو اپنا وطن بنانے کی تفصیل موجود ہے۔ (مرتب)

اہل یورپ کا دھوکہ :

یورپ کے مؤرخین جب عرب کا ذکر کرتے ہیں تو اس میں ''زہر آمیز مٹھاس'' کا کام لیا جاتا ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ عرب بدو اور خانہ بدوش قوم تھے۔ نبی کریم ﷺ (نعوذ باللہ) ایک ہوشیار اور چالاک تھے۔ انہیں جنت کا آسرا دیتے تھے۔ کسریٰ اور قیصر بھی آپس میں لڑ کر ضعیف ہو چکے تھے۔ عرب سے باہر کے لوگ مسلمانوں سے آملے اور اسلام لائے۔ چنانچہ ایک بہت بڑی سلطنت قائم ہوئی۔ مذکورہ بالا خلاصہ اسلامیات کے نام سے شروع میں طلبہ کو پڑھایا جاتا ہے۔ اس پر عام مسلمان فخر کرتے ہیں۔ جبکہ اہل یورپ کی یہ زبردست چالاکی ہے، جس میں مذمت کا پہلو غالب ہے۔

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ عرب بذات خود ایک بڑی قوم ہے۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ میں جو دعوت دی اس میں جنگ نہیں تھی۔ ان کی پیدا کی ہوئی پارٹی کے لوگ تھے جو اسلام میں آکر سپاہی بنے۔ گویا کہ ایک مضبوط تنظیم پیدا ہو چکی تھی اور اس تنظیم کی طرف سے اطراف میں سوسائٹی میں تبدیلی کے پروگرام کی تشریح واشاعت کے لئے مبلغین کو بھیجا جاتا ہے۔ بالآخر مدینہ میں قریش نے حکومت پیدا کی اور انصار نے اسلامی سوسائٹی کی پرورش کی۔ اوپر مذکور ہے کہ انصار یمنی ہیں۔ تاریخی طور پر یمنی عربیت میں اصل ہیں۔ دنیا کی تمدن کی نشوارتقاء میں ان کا کردار رہا ہے۔ دنیا میں سبا (یمنی قوم) نے ترقی کے لئے کیا کردار ادا کیا، اس کی تفصیل ہم آگے چل کر بیان کریں گے۔ یہاں سے یہ ثابت ہوا کہ ان دونوں انصاری اور یمنی قوموں کو مجتمع کرنے والی قوم قریش ہے۔ اسے حکومت اور حکمت عملیوں کی تمام اہلیت حاصل تھی۔ قرآن حکیم جیسے بلاغت میں فائق مسلّم ہے، بعینہٖ اجتماعیت کی حکمت عملیوں کے متعلق بھی بے نظیر کتاب ہے۔ یہ بات امام ولی اللہ صاحب نے تشریح کے ساتھ بیان کی ہے۔

تفسیر سورہ سبا

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الْاَرْضِ وَلَهُ الْحَمْدُ فِی الْاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الْحَكِیْمُ الْخَبِیْرُ ①

(تعریف اُس خدا کے لئے ہے، جس کا وہ سب کچھ ہے جو آسمانوں میں ہے اور جو زمین میں ہے اور اسی کی تعریف آخرت میں اور وہ حکمت والا جاننے والا ہے۔)

یعنی تمام اشیاء پر اس احکم الحاکمین کا حکم حکمت اور قاعدہ کے ساتھ چلتا ہے۔ تعریف اور حمد اس لئے ہے کہ وہ آخرت میں (یعنی قوموں کے انجام پر) حکمت والا ہے۔ اور اس کی بھیجی ہوئی قرآن مقدس حکمت والی کتاب ہے۔ وہ ہر چیز کے اندر کے حال کو جانتا ہے کہ کن لوگوں میں یہ اہلیت ہے جو قرآن مقدس جیسی بین الاقوامی ہدایت و رہنمائی کی حامل کتاب کو لے کر دنیا کو ہدایت، امن اور عدل کا درس دیں گے۔ چنانچہ عربوں کی تمدن کا ذکر بھی یہاں آتا ہے۔ کسی دوسری قوم میں یہ صلاحیت نہ تھی۔

یَعْلَمُ مَا یَلِجُ فِی الْاَرْضِ ، (جو کچھ زمین کے اندر داخل ہوتا ہے۔)

اس سے مراد تخم، پانی، ہوا اور گرمی ہے۔ اسی طرح فرشتوں کے ذریعہ انسانیت کے لئے جو نور آتا ہے وہ بھی مَا یَلِجُ میں شامل ہے۔

وَمَا یَخْرُجُ مِنْهَا وَمَا یَنْزِلُ مِنَ السَّمَآءِ (اور اس سے نکلتا ہے اور جو آسمان سے اترتا ہے)

حدیث میں آتا ہے کہ فرشتے روزانہ آتے ہیں اور روز مرہ کی کیفیت خداوند تعالیٰ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔

وَمَا یَعْرُجُ فِیْهَا ؕ وَهُوَ الرَّحِیْمُ الْغَفُوْرُ ② (اور جو اس میں چڑھتا ہے اسے جانتا ہے اور وہ رحمت والا بخشنے والا ہے)

وَقَالَ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَا تَاْتِیْنَا السَّاعَةُ (اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم پر قیامت نہیں آئے گی۔)

قرآن حکیم کی اصطلاح میں "کافر" کسے کہا جاتا ہے؟:

ہم نے کلمہ طیبہ کے معنی بتلائے ہیں کہ بادشاہ اور حکمران خداوند قدوس کے علاوہ کوئی نہیں۔ چنانچہ جو لوگ خدا کے مقرر کردہ قوانین کی بادشاہت قبول نہیں کرتے اور اپنے بادشاہوں کو خدا بنا لیتے ہیں، وہ کافر ہیں اور حساب

کے بھی منکر ہیں۔ کیونکہ حساب کے انکار کا نتیجہ اس کی بادشاہت کا انکار ہے۔ درحقیقت اللہ پاک جو حکمران ہے، اس کے حکم سے، اس کے بنائے ہوئے قوانین سے پوری دنیا کا کاروبار چلتا ہے۔ وہ روزانہ حساب لیتا ہے۔ دستور ہے کہ لینے دینے کا کھاتہ چلتا رہتا ہے۔ لیکن آخرت کا حساب ہر حال میں ہر ایک کو دینا ہے۔ فیصلے کا آخری دن قیامت کا دن ہے۔

ساعۃ کے معنی :

عام طور پر مفسرین ساعۃ سے مراد قیامت کا لمحہ لیتے ہیں۔ درحقیقت ساعۃ کا لفظ عمومی ہے۔ قیامت اور انقلاب کا لمحہ دونوں کو ساعۃ کہا جاسکتا ہے۔ عام مفسرین کی تخصیص کی وجہ یہ ہے کہ ساعۃ کے معنی صحابہ کی روایت سے کی جاتی ہے جو کہ قیامۃ ہے۔ چونکہ صحابہ رضی اللہ عنہ کے دور میں انقلاب آچکا تھا اور وہ قیامت کے انتظار میں تھے۔ لیکن نبی کریم ﷺ کے زمانہ میں دونوں معنی مراد تھیں۔ کسی قوم سے جو انسانی قافلہ کو فلاح کی طرف لیجانے میں ناکام ہو چکی ہے، بادشاہی چھین لینا بھی حساب ہے، جسے انقلاب کہا جاتا ہے۔

قُلْ بَلٰى وَ رَبِّيْ لَتَاْتِيَنَّكُمْ عٰلِمِ الْغَيْبِ ۚ لَا يَعْزُبُ عَنْهُ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ لَا فِي الْاَرْضِ وَ لَاۤ اَصْغَرُ مِنْ ذٰلِكَ وَ لَاۤ اَكْبَرُ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝ لِّيَجْزِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ ؕ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ مَّغْفِرَةٌ وَّ رِزْقٌ كَرِيْمٌ ۝ وَ الَّذِيْنَ سَعَوْ فِيْۤ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓىِٕكَ لَهُمْ عَذَابٌ مِّنْ رِّجْزٍ اَلِيْمٌ ۝ وَ يَرَى الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ الَّذِيْۤ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ هُوَ الْحَقَّ ۙ وَ يَهْدِيْۤ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۝ وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا هَلْ نَدُلُّكُمْ عَلٰى رَجُلٍ يُّنَبِّئُكُمْ اِذَا مُزِّقْتُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ۙ اِنَّكُمْ لَفِيْ خَلْقٍ جَدِيْدٍ ۝ اَفْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَمْ بِهٖ جِنَّةٌ ؕ بَلِ الَّذِيْنَ لَا يُؤْمِنُوْنَ بِالْاٰخِرَةِ فِي الْعَذَابِ وَ الضَّلٰلِ الْبَعِيْدِ ۝

(کہو کہ کیوں نہیں؟ قسم ہے میرے پروردگار عالم الغیب کی، وہ ضرور تم پر آئے گی۔ اس سے ذرہ برابر کوئی چیز مخفی نہیں۔ نہ آسمانوں اور نہ زمین میں اور نہ کوئی چیز اس سے چھوٹی اور نہ بڑی۔ مگر وہ ایک کھلی کتاب میں ہے۔ تاکہ وہ ان لوگوں کو بدلہ دے جو ایمان لائے اور نیک کام کیا۔ یہی لوگ ہیں جن کے لئے معافی ہے اور عزت والی روزی اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو عاجز کرنے کی کوشش کی، ان کے لئے سختی کا دردناک عذاب ہے اور جن کو علم دیا گیا ہے وہ، اس چیز کو جو تمہارے رب کی طرف سے تمہارے پاس بھیجا گیا ہے، جانتے ہیں کہ وہ حق ہے اور وہ خدائے عزیز و حمید کا راستہ دکھاتا ہے۔ اور جنہوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں، کیا ہم تم کو ایک ایسا آدمی بتائیں جو تم کو خبر دیتا ہے کہ جب تم بالکل ریزہ ریزہ ہو جاؤ گے، تو پھر تم کو نئے سرے سے بننا ہے۔ کیا اس نے اللہ پر جھوٹ باندھا ہے یا اس کو کس طرح کا جنون ہے۔ بلکہ جو لوگ آخرت پر یقین نہیں رکھتے، وہی عذاب میں اور دور کی گمراہی

میں مبتلا ہیں۔)

غرض کہ منکروں کے لئے آخرت میں صرف عذاب ہی نہیں بلکہ لاعلمی کی مصیبت بھی ان ہی کے سر پر ہے۔

اَفَلَمۡ یَرَوۡا اِلٰی مَا بَیۡنَ اَیۡدِیۡهِمۡ وَمَا خَلۡفَهُمۡ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الۡاَرۡضِ ؕ اِنۡ نَّشَاۡ نَخۡسِفۡ بِهِمُ الۡاَرۡضَ اَوۡ نُسۡقِطۡ عَلَیۡهِمۡ کِسَفًا مِّنَ السَّمَآءِ ؕ اِنَّ فِیۡ ذٰلِکَ لَاٰیَۃً لِّکُلِّ عَبۡدٍ مُّنِیۡبٍ ۝

(تو کیا انہوں نے آسمانوں اور زمین کی طرف نظر نہیں کی جو ان کے آگے ہے اور ان کے پیچھے بھی۔ اگر ہم چاہیں تو ان کو زمین میں دھنسا دیں یا ان پر آسمانوں سے ٹکڑا گرا دیں۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر اس بندے کے لئے جو متوجہ ہونے والا ہو۔)

اس آیت کا مطلب ہے ان لوگوں کو سمجھانا جو آخرت کا انکار کرتے ہیں اور بڑے انقلاب کو نہیں مانتے۔ تذکیر (تشریح) بھی ایسی چیز کے ذریعہ کی جاتی ہے جسے وہ روزانہ دیکھتے رہتے ہیں اور وہ ان کی نظروں سے کبھی غائب اور اوجھل نہیں ہوتی۔ آسمان سے مراد بادل ہیں، جن سے بجلیاں گرانے کی بات کی گئی ہے۔

آیت کے معنی :

آیت یا نشانی ایک قاعدہ ہے۔ یہاں اس کی ایک جزوی مثال ذکر کرتے ہیں تاکہ عام لوگوں کے لئے قاعدہ کو سمجھنا آسان ہو جائے۔ قرآن حکیم میں اس کی رعایت کی گئی ہے، کیونکہ امیین سے خطاب ہے۔ دوسرے معنی یہ ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ہر انسان کے اندر ایک نور رکھا ہے، جس کے ذریعہ سے وہ احساس کرتا ہے اور چیزوں کو جانتا ہے۔ آسمان سے جتنی بھی مصیبتیں نازل ہوتی ہیں۔ اسے بجلی کی طرح سمجھیں۔ ظالم بادشاہ بھی ایک مصیبت ہے۔ مثال کے طور پر زمین کے پھٹ جانے کا ذکر ہوا ہے۔ گھر کی تمام مصیبتیں (جیسا کہ فاقہ، بیماری، آپس میں جھگڑا اور نااتفاقی) یہ تمام زمین کی مصیبتوں میں آجاتی ہیں۔ ایک مصیبت ایسی ہے جسے زمین و آسمان دونوں کی مصیبت کہا جاتا ہے۔ وہ یہ ہے کہ قرآن حکیم کے لئے یہ دعویٰ کیا جائے کہ یہ الہامی اور اقوام عالم کیلئے ہدایت کی کتاب ہے، لیکن اسے نہ سمجھا جائے اور نہ سمجھنے کی کوشش کی جائے۔ یہ ایک عمومی مصیبت ہے۔

جملہ معترضہ :

ایک دفعہ کراچی میں آریہ سماجیوں سے مناظرہ ہوا۔ جس میں آریہ سماجیوں کی طرف سے دیانند کا دوست آیا ہوا تھا اور مسلمانوں کی طرف سے دیوبند اور امرتسر کے علماء آئے ہوئے تھے۔ ان میں مولانا ثناء اللہ صاحب خاص

طور قابل ذکر ہیں۔ آریوں کی طرف سے اعتراض پیش ہوا کہ قرآن حکیم میں توحید کا بھی ذکر ہے۔ لیکن گھریلو واقعات (قوانین) اس میں زیادہ مذکور ہیں۔ اس طرح ہمیں انگریزی خواندہ نوجوانوں سے ملنے کا موقع ملا تو ان کی طرف سے یہ سوال پیش ہوتا رہا کہ قرآن مقدس میں توحید ہے، لیکن سیاست کا ذکر نہیں۔ کئی بار ناسمجھ علماء بھی ان کے اس خیال سے متفق نظر آئے۔ کیونکہ انہیں پچھلی تفاسیر میں ایسی کوئی چیز نظر نہیں آئی۔ اللہ تعالیٰ نے ہمارے دونوں سوالات حل کر دیئے۔ قرآن حکیم میں تفصیلی مسائل دو ہیں۔ ایک توحید اور دوسری معاشرت۔ بنی نوع انسان ان دونوں مسائل سے وابستہ ہے۔ نماز کا مسئلہ حالانکہ بہت بڑا اور اہم ہے۔ لیکن قرآن پاک میں اس کی تفصیلات نہیں ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے اپنے عمل سے اس کی تفصیل بتلادی۔

فرمایا۔ صَلُّوْا كَمَا رَاَيْتُمُوْنِيْ (حدیث)۔ یعنی جیسے میں نماز پڑھتا ہوں، آپ بھی اسی طرح پڑھیں۔ حقیقت یہ ہے کہ قرآن حکیم میں جیسے آخرت کی بہتری کے لئے احکامات مذکور ہیں، اسی طرح دنیا کی بہتری کے لئے بھی سیاست کے اصولوں سے قرآن حکیم بھرپور ہے۔ عورتوں اور مردوں کے متعلق احکامات بھی معاشرت سمجھانے کے لئے ہیں۔ محض توحید سے تو آپ ذکر اذکار جان لیں گے اور ذکر سے معاش تو نہیں کما سکتے۔ قرآن حکیم دنیا پر حکمرانی کا درس دیتا ہے۔ اس لئے پہلے گھریلو انتظام کی سمجھ بوجھ ضروری ہے، جسے تدبیر منزل کہا جاتا ہے۔ جو آدمی گھر کی حکومت نہیں چلا سکتا، وہ ملک کیسے چلائے گا؟! لھٰذا گھریلو مسائل کا ذکر بھی الہامی بین الاقوامی کتاب میں ضروری ہے۔

آگے چل کر دوسرے رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا قصہ مذکور ہے۔ اس کے ساتھ مذکورہ بالا مضمون کا ربط یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام کے بعد حضرت سلیمان السلام کی بڑی بادشاہت قائم تھی، لیکن آخر میں ان کے بیٹوں کے مظالم کی وجہ سے اتنی بڑی بادشاہت تباہ ہوگئی۔ یہ حساب اور انقلاب نہیں تو اور کیا ہے؟ وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا۔ ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بزرگی دی۔ یعنی بنی اسرائیل میں اسے بڑھایا گیا۔

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضْلًا ؕ يٰجِبَالُ اَوِّبِيْ مَعَهٗ وَالطَّيْرَ وَاَلَنَّا لَهُ الْحَدِيْدَ ۝

(اور ہم نے داؤد کو اپنی طرف سے بڑی نعمت دی۔ اے پہاڑو! تم بھی اس کے ساتھ تسبیح میں شرکت کرو۔ اور اسی طرح پرندوں کو حکم دیا اور ہم نے لوہے کو اس کے لئے نرم کر دیا۔)

بنی اسرائیل کا مختصر قصہ:

بنی اسرائیل مصر میں فرعون کی غلامی میں رہتے تھے اور فرعون ان پر طرح طرح کے مظالم ڈھاتا تھا۔ اللہ تعالیٰ

نے انہیں ترقی دلانے اور فرعون کے ظلم اور غلامی سے آزاد کرانے کے لئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کی طرف رسول بناکر بھیجا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بنی اسرائیل کو تبلیغ کی کہ آپ خدا کے برگزیدہ بندوں کی آل میں سے ہیں، کیوں فرعون کے ظلم برداشت کرتے اور اس کے غلامی میں رہتے ہیں؟ یہ تمام مصیبت آپ لوگوں پر اس لئے نازل ہوئی کہ آپ نے فرعون کو بادشاہ اور خدا بنالیا ہے۔ آپ اللہ پاک کو حاکم اور بادشاہ مانیں اور اس کے حکم کی پیروی کریں۔ فرعون کے حکم کو ٹھکرادیں تو آپ پر سے یہ مصیبت دور ہو جائے گی۔

بنی اسرائیل موسیٰ علیہ السلام کی بات مان گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ مل کر فرعون کا مقابلہ کیا۔ چنانچہ فرعون تباہ ہوا اور بنی اسرائیل آزاد ہوئے اور بیت المقدس میں پہنچے۔ یہ نیل اور فرات کے درمیان ایک ملک ہے جو ابراہیم علیہ السلام کو عطا ہوا تھا۔ حضرت اسحاق علیہ السلام کے لئے اس غیر آباد علاقہ میں مسجد اقصیٰ کی بنیاد ڈالی گئی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس سفر کے درمیان ہی میں انتقال فرمایا۔ بنی اسرائیل رفتہ رفتہ اور علاقے بھی فتح کرتے رہے، تاآنکہ داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ حضرت داؤد علیہ السلام سے پہلے طالوت کی بادشاہت بطور نمونہ تھی۔ تابوت بنواکر اس میں توراۃ کو مسجد میں رکھا گیا۔ اس میں سے تھوڑا تھوڑا سا حصہ لکھ کر پڑھتے تھے۔ لوگ اپنے تمام اختلافات کا قاضیوں کے پاس جاکر تصفیہ کرواتے تھے۔ تمام مقدمات اس طرح حل کئے جاتے تھے۔ کوئی بھی بادشاہ نہ تھا اور اگر کوئی حکم نہیں مانتا تھا تو اس کے اوپر عذاب الٰہی نازل ہوتا تھا۔ یعنی موت وغیرہ۔ جب انہیں کئی صدیاں اسی طرح بیت گئیں اور انہیں غیروں کے حملہ کا خوف پیدا ہوا کہ غیروں کے حملہ سے قاضیوں کی حکومت کیسے بچاسکتی تھی؟ چنانچہ طلب کیا۔ ''ابْعَثْ لَنَا مَلِكًا نُّقَاتِلْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ'' (۲:۲۴۶) غرض کہ قصہ طویل ہے جو سورہ بقرہ میں گذر چکا ہے۔ بہر حال دعا مستجاب ہوئی۔ نمونے کے طور پر انہیں طالوت بادشاہ ملا۔ اس کے بعد داؤد علیہ السلام بادشاہ ہوئے۔ یہ مطلب ہے ''فضلا'' کا۔ یعنی ہم نے داؤد علیہ السلام کو بڑی حکومت دی۔

عیسیٰ علیہ السلام سے ایک سوال :

حضرت مسیح علیہ السلام سے سوال کیا گیا کہ آپ کس کے بیٹے ہیں؟ آپ نے فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کا۔ یعنی موسیٰ علیہ السلام کا طریقہ سکھلانے والا ہوں۔ اس طرح ابن اللہ کا مطلب بھی یہی ہے۔ جب ایسے الفاظ سے عوام میں غلط فہمی پیدا ہوئی تو، آگے چل کر خواص بھی اس میں مبتلا ہوئے اور شرک بڑھنے لگا چنانچہ اسلام نے ایسے الفاظ سے سختی سے منع کیا۔ نبی کریم ﷺ نے مکہ مکرمہ میں جو حکومت قائم کی وہ بھی قاضیوں کی حکومت کی طرح تھی۔ اس میں پولیس وغیرہ نہیں تھی۔ صرف اجتماعیت (سوسائٹی) تھی اور کتاب الٰہی نازل ہوتا تھا۔ داؤد علیہ السلام کسی

بادشاہ کے بیٹے نہیں تھے۔ بزرگی اور عقلمندی کی وجہ سے انہیں بادشاہت ملی۔ یہ خدا پاک کی مہربانی اور فضل ہے۔ اسی طرح کسی بادشاہ کے بیٹے کو بادشاہ بنانا بھی اس کا فضل ہے۔ حکومت کے ساتھ ساتھ داؤد علیہ السلام اللہ پاک کے مقرب بھی تھے۔

قرب کی تفسیر :

نبوت تو ایک بڑا درجہ ہے، لیکن حضرت داؤد علیہ السلام کو نبوت کے ساتھ ساتھ قرب بھی حاصل تھا۔ خدا کے نور کا ایک قطرہ انسان کے دل پر گرتا ہے، اسے "قرب" کہا جاتا ہے۔ امام ولی اللہ کے فلسفہ کا یہ طے شدہ مسئلہ ہے کہ اللہ پاک کی بڑی تجلی کا عکس اور چھوٹی تجلی ہر ایک انسان کے دل میں ہے۔ دنیا کی تمام اشیاء کسی خاص تجلی کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اللہ تبارک و تعالیٰ کو زمین اور آسمان کی بادشاہی حاصل ہے۔ ہر چیز پر خود حکم کرتا ہے۔ اللہ پاک کی تجلی حکم جاری کرنے کا راستہ ہے۔ جب یہ تجلی نازل ہوتی ہے تو حکم چلتا ہے۔ مثال کے طور پر لوہا ایک عنصر ہے۔ اسے تجلی کے ذریعہ پانی بننے کا حکم ہوتا ہے تو وہ لوہا جلد ہی پانی بن جاتا ہے۔ اسی طرح پرندوں اور پتھروں پر بھی تجلی کے ذریعہ سے حکم چلتا ہے۔ اللہ کی تجلیاں دنیا میں اس کا حکم جاری کرتی ہیں، حاکم وہ خود ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام کے دل میں بھی جب ایسی تجلی کا عکس آگیا تو حضرت داؤد علیہ السلام کے ہاتھوں لوہا پانی ہونے لگا۔ وہ حکم دراصل اللہ پاک کا تھا۔ سلیمان علیہ السلام کے لئے بھی ایسا ہی سمجھنا چاہئے۔ ہوا اور جن اس کے تابع تھے۔ لیکن تسخیر اور تابعداری کی صورت یہی ہے جو حضرت شاہ ولی اللہ صاحب نے لکھی ہے۔ یٰجِبَالُ اَوِّبِیْ مَعَهٗ وَالطَّیْرَ (۳۴:۱۰) "(ہم نے پہاڑوں کو حکم کیا کہ) اے پہاڑو! داؤد (علیہ السلام) کے ساتھ (آواز سے) لوٹو اور پرندوں کو سکوت کا حکم کیا"۔ داؤد علیہ السلام کا دستور تھا کہ وہ خدا پاک کی تعریف میں مست ہو جایا کرتے تھے۔ اس وقت پہاڑوں کو حکم تھا کہ آپ کی طرف سے ایسی آواز آنی چاہئے جیسے سر کے ساتھ سُر اور آواز کے ساتھ آواز مل کر آئے۔ اور اس طرح پرندوں کو خاموش رہنے کا حکم تھا۔

اَنِ اعْمَلْ سٰبِغٰتٍ وَّقَدِّرْ فِی السَّرْدِ

(کہ تم کشادہ زرہیں بناؤ، اور کڑیوں کو اندازے سے جوڑو۔)

جنگ میں لوہے کا لباس :

آج کل جنگ میں لوہے کے لباس کی سخت ضرورت ہے۔ لوہے کا لباس حضرت داؤد علیہ السلام سے شروع

ہوا۔ یہ سمجھانے کے لئے ایک مثال ہے کہ اللہ تعالیٰ لوہے کو بندوں کے ہاتھوں میں موم کی طرح بنا سکتا ہے۔ نرم کرنے کے طریقے مختلف ہیں۔ ایک تو یہ کہ محنت کے ساتھ ذکر اذکار کرنے سے، یہ طریقہ حاصل کیا جائے۔ یہ نتیجہ الاہیات میں ترقی کرنے کا ہے۔

لوہے کو پانی بنانا :

لوہے کو نرم کرنے کی دوسری راہ طبیعات کے ذریعہ نرم یا پانی کی طرح بنانا ہے۔ اس سلسلہ میں اہل یورپ نے کمال حاصل کیا ہے۔ آج کل جس کے پاس ایسے کارخانے اور ہنر نہیں ہیں تو وہ بادشاہ نہیں بلکہ غلام ہے۔ جرمن قوم کو سب سے زیادہ لوہے پر قبضہ ہے۔

۱۹۱۴ء میں جرمنی کے جنگ ہار جانے کی وجہ سے جرمن ہنرمند اپنا ملک چھوڑ کر روس پہنچے، کیونکہ انگریزوں نے جرمنی میں کارخانے بند کروادیئے تھے۔ روس میں اشتراکیت تھی۔ روسیوں نے شرط رکھی تھی کہ جو ہمارے پروگرام کو مانیں گے ان کو جگہ دی جائے گی۔ جرمنوں نے جواب میں کہا۔ ہم بھی کمیونسٹ ہیں، لیکن ہمیں اپنے ملک میں سے ایک ٹکڑا الگ کر کے دیں کہ ہم وہاں رہیں۔ روسیوں نے یہ بات قبول کرلی۔ لیکن نوآبادی کے طریقہ پر انہیں یہ جگہ دی گئی۔ تاکہ ان کا تعلق جرمنی کے ساتھ نہ ہو۔ چنانچہ جرمن وہاں رہے۔ روسیوں کے پاس لوہے کے لئے اتنا ہنر نہیں تھا۔ توپیں وغیرہ تو ان کے پاس تھیں، لیکن ٹوٹنے اور گرنے کی صورت میں اتنا حوصلہ نہیں تھا کہ اسے دوبارہ بنا سکیں یا اس میں اضافہ کر سکیں۔ روسیوں کو ایسے ہتھیار بنانے کے لئے دوسروں کا محتاج بننا پڑتا تھا۔ انہوں نے جرمن ہنرمندوں کو لوہے کا ہنر سکھانے کے لئے کہا اور انہوں نے روسیوں کو ہنر سکھایا اور روسیوں نے اس میں کمال حاصل کیا۔ آج وہ روسی، جرمنوں سے لڑ رہے ہیں۔ (مولانا سندھی نے یہ تقریر اس وقت کی تھی جب دوسری جنگ عظیم جاری تھی۔ مرتب)۔

افغانستان کی لڑائی :

ہم جب کابل پہنچے تو ہم سے بہت ساری آزمائشیں لی گئیں، تاآنکہ امیر حبیب اللہ کو ہماری سچائی کا یقین ہوا۔ امیر صاحب انگریزوں کے بڑے مخالف تھے، لیکن ان کے پاس اتنی قوت نہیں تھی کہ ان کا مقابلہ کر سکتے۔ امیر صاحب کا ایک کارخانہ تھا جو لکڑیوں پر چلتا تھا۔ افغانستان میں اتنا جنگل نہیں تھا، چنانچہ جنگل بویا گیا۔ لیکن کامیابی نہ ہو سکی۔ بالآخر دریا کے زور پر برقی مشینیں چلانے لگے۔ وہ مشین ہمارے زمانے میں تیار ہو گئی۔ اس برقی مشین کے

لئے ایک امریکن انجینئر کام کرتا تھا۔ امیر حبیب اللہ ایک سازش کا شکار ہو کر مارے گئے۔ میں اور میرے دوستوں کی کوشش سے امیر امان اللہ تخت نشین ہوئے تھے۔ اس دور میں مشین کا ایک پرزہ خراب ہو گیا۔ امریکن انجینئر نے کہا کہ یہ پرزہ امریکہ کے سوا کہیں اور نہیں مل سکتا۔ ادھر جنگ بھی چھڑ چکی تھی۔ امریکہ نے پرزہ دینے سے انکار کیا۔ امیر امان اللہ نے ہندوستانیوں کو بلا کر کہا کہ آپ میں کوئی ایسا آدمی نہیں ہے جو ایسا پرزہ تیار کر سکے۔ ایک بنگالی مسلمان عزیز اللہ نامی نے کہا کہ مجھے آپ دس روز کی مہلت دیں۔ میں ایک کتاب کا مطالعہ کر کے آپ کو پرزہ کا نقشہ پیش کر دوں گا۔ بالآخر پرزہ تیار ہوا، پھر مشین چلنے لگی۔ صرف ایک پرزے کی وجہ سے پوری مشین بیکار تھی۔

وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّیْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ بَصِیْرٌ ، (اور نیک عمل کرو، جو کچھ تم کرتے ہو اس کو میں دیکھ رہا ہوں۔)

یہ ہنر بھی تمہیں خدا کی کتاب کو ماننے کی وجہ سے دیئے گئے ہیں۔ قانون پر عمل حکومت سے ہوتا ہے۔ ان ہنروں میں بڑی طاقت ہے۔ جب آپ قانون سے روگردانی کریں گے، تو اس کا حساب دنیا ہوگا اور آپ سے وہ حکومت اور طاقت چھین لی جائے گی۔

وَ لِسُلَیْمٰنَ الرِّیْحَ غُدُوُّهَا شَهْرٌ وَّ رَوَاحُهَا شَهْرٌ

(اور سلیمان کے لئے ہم نے ہوا کو مسخر کر دیا' اس کی صبح کی منزل ایک مہینہ کی ہوتی اور اس کی شام کی منزل ایک مہینہ کی۔)

یہ تمام الاہیات کی ترقی کا نتیجہ ہے اور یہ طبیعات میں بھی ہو سکتا ہے۔ جیسے آج کل سائنس اور ٹیکنالوجی کی ترقی سے دیکھا گیا ہے۔

وَ اَسَلْنَا لَهٗ عَیْنَ الْقِطْرِ ، (اور ہم نے اس کے لیے تانبا کا چشمہ بہا دیا۔)

یہ قدرت کی دین ہے۔ زمین میں حرارت ہے اور اس سے تانبہ پگھلتا ہے۔

وَ مِنَ الْجِنِّ مَنْ یَّعْمَلُ بَیْنَ یَدَیْهِ بِاِذْنِ رَبِّهٖ

(اور جنات میں سے ایسے تھے جو اس کے رب کے حکم سے اس کے آگے کام کرتے تھے)

یہ بھی تجلی الٰہی سے ہوا۔

وَ مَنْ یَّزِغْ مِنْهُمْ عَنْ اَمْرِنَا نُذِقْهُ مِنْ عَذَابِ السَّعِیْرِ ﴿۱۲﴾ یَعْمَلُوْنَ لَهٗ مَا یَشَآءُ مِنْ مَّحَارِیْبَ وَ تَمَاثِیْلَ وَ جِفَانٍ كَالْجَوَابِ وَ قُدُوْرٍ رّٰسِیٰتٍ ؕ

(اور ان میں سے جو کوئی ہمارے حکم سے پھرے تو ہم اس کو آگ کا عذاب چکھائیں گے۔ وہ اس کے لئے بناتے جو وہ چاہتا عمارتیں اور تصویریں اور حوض جیسے لگن اور جمی ہوئی دیگیں۔)

حضرت سلیمان علیہ السلام کو کسی بھی عمارت کی ضرورت پیش آتی تو اس کی تعمیر کا کام جن کیا کرتے تھے۔ جیسا کہ معبد، تصاویر اور حوض جتنے برتن اور دیگیں ایک جگہ پر ٹھہری ہوئی۔ جیسے اجمیر یا دہلی میں کھڑی ہیں۔ گزشتہ شریعتوں میں تصاویر جائز تھیں۔ بیت المقدس کے قبلہ کی دیوار پر سلیمان علیہ السلام نے فرشتوں کی تصاویر بنوائی تھیں۔ یہ تمام بادشاہی امور میں سے ہیں۔

اِعۡمَلُوۡۤا اٰلَ دَاوٗدَ شُکۡرًا ؕ وَ قَلِیۡلٌ مِّنۡ عِبَادِیَ الشَّکُوۡرُ ﴿۱۳﴾

(اے آل داؤد شکر گزاری کے ساتھ عمل کرو اور میرے بندوں میں کم ہی شکر گزار ہیں۔)

قاعدہ یہ ہے کہ سینٹرل کمیٹی میں تھوڑے لوگ ہوتے ہیں۔ جب اس حکومت کے کاروبار میں ظلم شروع ہوتا ہے، جیسا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کا بیٹا نالائق ثابت ہوا، تو حکومت تباہ ہو جاتی ہے اور (بذریعہ انقلاب) محاسبہ کیا جاتا ہے۔

آل داؤد علیہ السلام کا قصہ :

فَلَمَّا قَضَیۡنَا عَلَیۡہِ الۡمَوۡتَ مَا دَلَّہُمۡ عَلٰی مَوۡتِہٖۤ اِلَّا دَآبَّۃُ الۡاَرۡضِ تَاۡکُلُ مِنۡسَاَتَہٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَیَّنَتِ الۡجِنُّ اَنۡ لَّوۡ کَانُوۡا یَعۡلَمُوۡنَ الۡغَیۡبَ مَا لَبِثُوۡا فِی الۡعَذَابِ الۡمُہِیۡنِ ؕ ﴿۱۴﴾

(پھر جب ہم نے اس پر موت کا فیصلہ نافذ کیا تو کسی چیز نے ان کو اس کے مرنے کا پتہ نہیں دیا مگر زمین کے کیڑے نے وہ اس کی عصا کو کھاتا تھا۔ پس جب وہ گر پڑا تب جنوں پر کھلا کہ اگر وہ غیب کو جانتے تو اس ذلت کی مصیبت میں نہ رہتے۔)

عام طور پر مشہور قصہ اس طرح ہے کہ جب سلیمان علیہ السلام قریب المرگ حالت کو پہنچے تو جنوں سے ایسا شیشے کا محل بنوایا جس میں حضرت سلیمان علیہ السلام عصا کو ٹیک لگا کر کھڑے رہے۔ جن حضرت سلیمان علیہ السلام کو زندہ جان کر کام کرتے رہے۔ جب ان کی لاٹھی کو دیمک کھا گئی اور لاٹھی گر گئی تو سلیمان علیہ السلام بھی گر پڑے۔ پھر جنوں کو معلوم ہوا اور افسوس کرنے لگے کہ ہم فضول کام کرتے رہے۔ جبکہ سلیمان علیہ السلام تو کب کے مر چکے تھے۔ کچھ مفسرین نے اس مدت کو چالیس دن لکھا ہے اور کچھ ایک سال لکھتے ہیں۔ یہ تمام قصہ ایک فرضی افسانہ ہے۔ اس کے لئے کوئی بھی صحیح حدیث نہیں ہے۔ بلکہ اسرائیلیات سے ماخوذ ہے۔ چونکہ بظاہر آیت سے ملتا ہے، اس لئے کتابوں میں نقل در نقل ہوتا رہا ہے۔ سلیمان علیہ السلام نبی تھے، نماز وغیرہ پڑھتے تھے۔ اس طرح انسانی تقاضوں کے مطابق کھاتے پیتے بھی تھے۔ پھر چالیس دن کھڑے رہے۔ نہ نماز پڑھی نہ کھانا کھایا۔ ایسی

بات جنات سے کیسے مخفی رہ سکتی تھی؟ دراصل مذکورہ تفاسیر کی بناء اسرائیلی قصوں اور آیت کے ظاہر پر ہے کہ علیہ کا ضمیر سلیمان علیہ السلام کی طرف لوٹتا ہے۔ اور دابۃ الارض سے مراد دیمک ہے۔

آیت کی اصل تفسیر اور ترجمہ :

علیہ کا ضمیر سلیمان علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ آل داؤد (داؤد علیہ السلام کی اولاد) کی طرف لوٹتا ہے۔ اس کا مطلب سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کا نالائق ہونا ہے۔ موت کا مطلب سیاسی موت یعنی حکومت کا ہاتھوں سے نکل جانا ہے۔ دابۃ الارض نزول قرآن کے زمانہ میں انسان کے لئے بھی کہا جاتا تھا، تخصیص بعد میں ہوئی ہے۔ یہاں اس سے مراد سلیمان علیہ السلام کا بیٹا ہے۔ لاٹھی کا مطلب حکومت ہے۔ جیسے عام طور پر ''حکومت کی لاٹھی'' کہا جاتا ہے۔ اب پہلے قصہ بیان کر کے پھر آیات کا مکمل ترجمہ بیان کریں گے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام جب وفات پاگئے تو ان کی جگہ ان کے بیٹے مسند نشین ہوئے۔ سلیمان علیہ السلام کی بڑی حکومت تھی۔ جن یا ان جیسے طاقتور انسان ان کی خدمت میں ہوتے تھے۔ کئی دنوں تک وہ جاہ و جلال ان کے بیٹے کی بادشاہی کے دوران بھی قائم رہا۔ خوف کی وجہ سے وہی خدام کام کرتے رہے۔ حکومت کے رعب کی وجہ سے ان کے نالائق بیٹے نے عام لوگوں پر ظلم کرنا شروع کیا۔ اس حالت کو دیکھ کر ایک وفد اس بادشاہ کے پاس یہ عرضداشت لے کر گیا کہ برائے مہربانی انسانوں پر سے ظلم ختم کریں۔ بادشاہ نے اپنے والد کے وزراء اور اپنے نوجوان وزراء سے صلاح و مشورہ کیا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام کے وزراء نے تو اسے ظلم و زیادتی کی روک تھام کا مشورہ دیا، جبکہ ان کے نوجوان وزراء نے کہا کہ ان لوگوں پر مزید زیادتی کی جائے، ورنہ طاقتور ہو جائیں گے اور حکومت کے لئے خطرہ بنیں گے۔ بادشاہ نے بالآخر نوجوان وزراء کے مشورہ پر عمل کیا اور ان بداعمالیوں کی وجہ سے گویا کہ حکومت کی تباہی کی خبر دے چکے۔ عام لوگوں نے آگے چل کر بغاوت کی اور سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کی حکومت نیست و نابود ہو گئی۔

حدیث میں آتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کو ناقص بیٹا پیدا ہوا۔ اس کا مطلب بھی یہ ہے کہ وہ نالائق تھا۔ قرآن حکیم میں حضرت سلیمان علیہ السلام کی دعا ''رَبِّ اغْفِرْ لِيْ وَهَبْ لِيْ مُلْكًا لَّا يَنْۢبَغِيْ لِاَحَدٍ مِّنْۢ بَعْدِيْ'' مذکور ہے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ اے پرورگار! مجھے ایسا ملک عطا کر جو میرے سوا کسی دوسرے کے پاس نہ ہو۔ یہ دعا انہوں نے اس لئے کی کیونکہ ان کا بیٹا نالائق تھا۔ نگینہ وغیرہ کا قصہ من گھڑت شیطانی ہے۔ اب ترجمہ دیکھئے :

فَلَمَّا قَضَيْنَا عَلَيْهِ الْمَوْتَ مَا دَلَّهُمْ عَلٰى مَوْتِهٖٓ اِلَّا دَآبَّةُ الْاَرْضِ تَاْكُلُ مِنْسَاَتَهٗ ۚ فَلَمَّا خَرَّ تَبَيَّنَتِ الْجِنُّ اَنْ لَّوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ الْغَيْبَ مَا لَبِثُوْا فِي الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ۝

(جب ہم نے آل داؤد علیہ السلام پر موت (حکومت کے خاتمہ) کا فیصلہ کیا تو دیکھو اس کو زمین کا ایک جانور (سلیمان علیہ السلام کا بیٹا) کھا گیا عصا (حکومت) اس کی کو۔ پھر جب گرا (یعنی سلیمان علیہ السلام کے بیٹے کی حکومت گرپڑی) تو جنوں پر یہ بات واضح ہوئی کہ اگر وہ غیب کا علم رکھتے تو کبھی ایسی ذات کے عذاب میں نہ رہتے۔)

غرض کہ اس سے پہلے جنوں اور دیگر طاقتور قوموں کو گمان تھا کہ یہ حکومت ٹوٹنے والی نہیں ہے، لیکن جب کچھ کمزور لوگوں کی بغاوت کی وجہ سے حکومت تباہ ہوگئی تو افسوس کرنے لگے کہ بادشاہت کے بل پر ہم سے ناحق کام لیا گیا۔ اگر ہم اس بادشاہت کے ٹوٹنے کا علم رکھتے تو ایسی خواری جیسی زندگی کبھی بسر نہ کرتے۔ ابراہیم علیہ السلام کے دین کے پیروکاروں کے علاوہ صابی قوم ستارہ پرست تھی۔ پہلے تو ستاروں کو قبلہ سمجھتے تھے، لیکن چونکہ تمام ستارے دن کو غائب ہو جاتے ہیں، لھٰذا ستاروں کے ناموں کے بت بنا کر انہیں قبلہ بنایا گیا۔ آگے چل کر ان بتوں کو عبادت کے لائق سمجھنے لگے۔ جس طرح عام لوگ پہلے بزرگوں اور اولیاء کرام کی قبروں پر درود اور ختم کے لئے جاتے ہیں۔ پھر آگے چل کر مشرکانہ رسومات اختیار کرتے ہیں اور ان سے بیٹے وغیرہ کا سوال کرتے ہیں۔ ہم نے ایسے بہت سارے ولی اور بزرگ دیکھے ہیں جو اپنی پاک زندگی میں لوگوں کو بت پرستی سے روکتے تھے۔ لیکن ان کے مرنے کے بعد ان ہی کے مزاروں اور قبروں کی پرستش شروع ہوگئی۔ اس طرح کئی لوگ جنوں کی پرستش کرتے تھے۔ ان پوجاریوں کو بھی جن کہا جاتا تھا۔ غرض کہ ستارہ پرست قوموں میں جنوں کی پرستش عام ہے۔ کیونکہ ستاروں کی تائید معلوم کرنے کے لئے علم نجوم کی ضرورت تھی اور علم نجوم درست طریقہ سے حاصل نہیں کیا جاتا تھا۔ چنانچہ کاہنوں اور پروہتوں کی طرف رجوع کرنا پڑتا تھا۔ جنوں کو اس میں واسطہ بنایا گیا۔ یہاں جنوں کے پجاریوں کو جن کہا گیا ہے۔ شیطان جس طرح جنوں میں ہوتے ہیں، اسی طرح انسانوں میں بھی ہوتے ہیں۔ سلطنت سلیمان میں ان سے زبردستی کام لیا جاتا تھا۔

شفاعت کا مسئلہ :

شفاعت کے مسئلہ کو تسلیم کرنا ضروری ہے۔ لیکن کچھ گمراہوں نے گمراہی کے راستے نکالے، اسی طرح شفاعت کے مسئلہ کو بھی عام لوگوں کے سامنے غلط طور پر پیش کیا گیا۔ درحقیقت شفاعت بالاذن ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی اجازت سے ہے۔ وہاں زور و زبردستی نہیں چلے گی۔ شفاعت گواہی کی طرح ہے۔ یعنی اس آدمی نے یہ کام اچھے کئے ہیں اور جماعت حق کا ساتھ دیا ہے، لھٰذا اسے گناہوں کی معافی چاہئے۔

آیت نَبَؤُا الْخَصْمِ کی تفسیر:

سورۃ السباء میں حضرت داؤد اور آل داؤد کا قصہ بیان ہوا ہے۔ اس لئے مناسب ہے کہ سورۃ ص میں حضرت داؤد علیہ السلام کے متعلق آیت نَبَؤُا الْخَصْمِ میں مذکورہ بیان کی تفسیر یہاں نقل کی جائے۔ کیونکہ اس آیت کی تفسیر میں بھی ہمارے بہت سارے مفسرین نے انبیاء کی شان کے خلاف جھوٹے قصوں سے کام لیا ہے۔ قرآن میں صرف اتنا بیان ہے کہ کچھ آدمی حضرت داؤد علیہ السلام کی عبادت گاہ میں دیوار پھلانگ کر اندر آتے ہیں۔ حضرت داؤد علیہ السلام کو (غیر رسمی طریقہ پر اندر آنے کی وجہ سے) خوف سا پیدا ہوا، لیکن وہ آدمی کہنے لگے کہ آپ خوف میں مبتلا نہ ہوں۔ ہم دو آدمی آپ کے پاس ایک فیصلہ لے کر آئے ہیں۔ آپ انصاف کریں اور ناانصافی نہ کریں۔ ہمیں سیدھا راستہ بتلائیں۔ ان میں سے ایک بولنے لگا۔ یہ میرا بھائی ہے۔ اس کے پاس ۹۹ بھیڑیں ہیں اور میرے پاس ایک بھیڑ ہے۔ یہ مجھے کہتا ہے کہ میں ایک بھیڑ بھی اُسے دے دوں۔ گفت و شنید میں مجھ پر حاوی ہو جاتا ہے۔

حضرت داؤد علیہ السلام نے فیصلہ کیا کہ یہ تم سے ایک بھیڑ کے سوال میں ظلم کر رہا ہے۔ کئی شراکت دار ایک دوسرے پر چڑھائی کرتے ہیں۔ لیکن ایمان والے اور نیک بندے ظلم سے بچتے ہیں اور وہ تھوڑے ہیں۔ اس کے بعد حضرت داؤد علیہ السلام کو خیال آیا کہ یہ میری آزمائش تھی۔ چنانچہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے معافی مانگی۔ اللہ پاک نے انہیں معاف کر دیا۔

اب عام مفسرین کی طرف سے اس آیت کی تفسیر میں ایک عورت کے عشق کا قصہ بیان کیا جاتا ہے وغیرہ۔ اس آیت کی تفسیر کے متعلق میرا ایک خاص فکر ہے، جسے میں نے کسی دوسرے سے حاصل نہیں کیا۔ وہ یہ کہ حکومت کے مختلف درجات ہیں، جسے صدر شہید (شاہ اسماعیل شہید رحمۃ اللہ علیہ) نے اپنی کتاب "منصب امامت" میں بیان فرمایا ہے۔ دولۃ اسلام میں اس حکومت کے دو حصے ہیں۔

(۱)۔۔۔خلافت راشدہ جس میں کتاب کریم کے عقلی قوانین پر عمل کیا جاتا تھا۔ مال کا جمع کرنا اور کسی کو حقیر جاننا اور غلام بنانا روا نہیں تھا۔

(۲)۔۔۔ دوسرا دور خلافت کے بعد کا ہے جسے ملوکیت یا بادشاہی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ آخر الذکر دور میں قومی برتری، تکبر اور سرمایہ داری کی بنیاد پڑنے لگی۔ حضرت داؤد علیہ السلام کی حکومت بھی دو ادوار پر محیط تھی۔ ایک نبوت سے پہلے کا زمانہ، دوسرا زمانہ خلافت۔ مذکورہ بالا واقعہ میں حضرت داؤد علیہ السلام کو ایک مثال کے طور پر پیش کیا گیا۔ یہ دو آدمی ایک بادشاہ اور ایک کو رعایا کا فرد سمجھیں۔ بادشاہ کے پاس رعایا کے ایک فرد کی بنسبت سو میں سے ننانوے مال رہتا ہے۔ لیکن بادشاہ کوشش کرتا ہے کہ ٹیکس اور محصولات لگا کر وہ ایک فیصد بھی اپنے پاس

رکھے۔ حضرت داؤد علیہ السلام بادشاہت کے اس رویہ کو جان گئے اور خداوند قدوس سے معافی مانگنے لگے۔ کیونکہ انہیں معلوم نہیں تھا کہ رعایا سے مال بٹورنے سے ظلم پیدا ہوتا ہے۔

اس آیت کے بعد آتا ہے کہ یٰدَاوٗدُ اِنَّا جَعَلْنٰكَ خَلِيْفَةً فِي الْاَرْضِ الآیۃ اے داؤد! ہم نے تمہیں خلیفہ بنایا ہے اور زمین کی خلافت دی ہے۔ لوگوں میں انصاف کے ساتھ فیصلے کرو۔ ہویٰ (نفسانی خواہشات) کے تابع نہ بنو۔ غرض کہ تمہارا موجودہ دور خلافت کا دور ہے۔ بادشاہی کا دور اختتام کو پہنچا۔ گزشتہ دور میں جو کچھ ہوا وہ تمہیں معاف کیا جاسکتا ہے، اب تمہیں علم دیا گیا ہے۔

قوم سبا کا تمدن

لَقَدْ كَانَ لِسَبَاٍ فِيْ مَسْكَنِهِمْ اٰيَةٌ جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ ؕ

(سبا کے لئے ان کے اپنے مسکن میں نشانی تھی۔ دو باغ دائیں اور بائیں ' اپنے رب کے رزق سے کھاؤ اور اس کا شکر کرو۔)

تمہید:

پیشے کے لحاظ سے آدمیوں کی دو قسمیں ہیں۔ ایک مزارع، کھیتی باڑی کرنے والا اور دوسرا ہنر مند۔ روئی سے کپڑا بنانا یا چمڑے سے بوٹ وغیرہ تیار کرنا اسے ہنر کہا جاتا ہے۔ ہنر کا کام تجارت سے متعلق ہے۔ اسلئے تجارت دونوں کی سرتاج ہے۔ تجارت کو اگر اقتصادی بادشاہی کہا جائے تو مبالغہ نہ ہوگا۔ حکمت کا قانون ہے کہ اگر کوئی اپنی روزی کسی فن کے ذریعہ کماتا ہے تو اس کی طبیعت اور عادت میں تبدیلی واقعی ہوگی۔ رہن سہن، تمدن اور معیشت مختلف طرز کا رہے گا۔ ایک دھوبی کا پیشہ علحدہ ہے، اسے میراثی کے ساتھ رہنے میں راحت و سکون میسر نہ ہوگا۔ اسی طرح ایک طالب علم کو چرواہے کے ساتھ آرام نہ آئے گا۔ عام حکماء کو انسانی سوسائٹی کی ان ضروریات کا علم تھا اور انبیاء علیہم السلام ان سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

ایک غلط خیال:

کچھ لوگوں کا یہ غلط خیال ہے کہ انبیاء کا دنیاوی زندگی کے ساتھ کوئی تعلق نہ تھا۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ انسانیت کے قافلہ کو سب سے بڑی رہنمائی انبیاء سے حاصل ہوئی ہے۔ جب کبھی کسی قوم نے کوئی غلط راستہ اختیار کیا

ہے تو ان کے پاس نبی کو بھیجا گیا ہے۔ ہمارے نبی کریم ﷺ بین الاقوامی نبی ہیں۔ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لئے ان کا بتلایا ہوا پروگرام نہایت مناسب طور پر موجود ہے۔ غرض کہ دنیا کی موجودہ زندگی انبیاء کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ معلوم ہونا چاہئے کہ زراعت پیشہ لوگوں کی طبیعت مذہب سے تعلق رکھتی ہے۔ جب انہیں شریعت کا کوئی حکم سنایا جائے گا تو بغیر کسی حکیمانہ غور وفکر کے جلد ہی مان لیں گے۔ زراعت پیشہ لوگوں سے قریبی تعلق رکھنے والوں کا بھی یہی حال ہے۔ ہنر مند لوگوں کی اکثریت کا تعلق حکمت (دانائی) سے ہے۔ ان کے سامنے شریعت کو اگر حکمت کی شکل میں پیش کیا جائے گا تو مان لیں گے۔ یہ حقیقت ہے انسانیت عامہ کے دو طبقوں کے طبعی فرق کی۔ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں ہنر کا بول بالا تھا۔ چنانچہ انہیں حکمت بھی زیادہ دی گئی۔ حضرت داؤد علیہ السلام پر نازل کئے گئے زبور مقدس میں غزلیں، گیت اور ابیات ہیں۔ ان میں حکمت کی بڑی باتیں موجود ہیں۔ جیسے شاہ بھٹائی رحمۃ اللہ علیہ کی ابیات ہیں۔ حضرت سلیمان علیہ السلام پر نازل کی گئی کتاب ''امثال سلیمان'' بھی اس طرز کی ہے۔ زبور کی طرح وہ بھی حکمت اور دانائی سے بھری ہوئی تھی۔ قرآن حکیم میں بھی ایسی حکیمانہ نصیحتیں پائی جاتی ہیں۔

سبا کی قوم کا پیشہ زراعت تھا۔ چنانچہ ان میں شریعت کو ماننے کی بڑی صلاحیت موجود تھی۔ جب وہاں حکیم پیدا ہوتے تھے تو وہ بلند پایہ ہوتے تھے۔ کیونکہ وہ شریعت اور حکمت دونوں کے جامع ہوتے تھے۔ انصار یمنی قوم میں سے ہیں۔ ان میں سے بیشتر حکمت کے علماء تھے۔ چنانچہ حدیث میں آتا ہے۔ اَلْفِقْهُ يَمَانِيَةٌ وَالْحِكْمَةُ يَمَانِيَةٌ

غرض کہ ہم نے سورۃ کی ابتداء میں بتلایا ہے کہ عرب کی اجتماعیت اور سوسائٹی بڑی اہمیت کی حامل ہے۔ اس میں شامی اور یمنی دونوں قومیں شامل ہیں۔ ان میں شریعت اور حکمت کو سمجھنے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔ چنانچہ انہیں قرآن مقدس جیسی شریعت اور حکمت کی جامع کتاب دی گئی۔ تمہید اختتام پذیر ہوئی۔

زیر نظر سورۃ سبا عرب کی سوسائٹی کو تمدن اور معیشت کے حوالے سے بلند ثابت کرتی ہے۔ ہو سکتا ہے دیگر قوموں میں ایسی طاقت ہو، لیکن یہ درمیانے درجے پر عرب سوسائٹی کے منہاج ہیں۔ ''امة وسطا'' سے مراد بھی یہی ہے۔ اہل مشرق اور اہل مغرب کا تعلق بھی اسی خطۂ عرب سے ہوتا ہے۔ قوم سبا کا محل وقوع اور یمن کا مکمل جغرافیہ، سید سلیمان ندوی کی کتاب ''ارض القرآن'' میں موجود ہے۔ ندوی صاحب کی یہ کتاب قرآن مقدس میں مذکور ممالک کا ایک جغرافیہ ہے۔ اکثر و بیشتر جن اقطاع و امصار کا ذکر توراۃ میں آتا ہے، ان کا بیان قرآن مقدس میں بھی ہے۔ چنانچہ یورپ کے مصنفین نے بھی ایسی کتابیں لکھی ہیں، لیکن ان میں تفصیلات نہیں ہیں۔

سر سید احمد خان نے ایک کتاب ''خطبات احمدیہ'' انگریزی میں لکھی ہے۔ سر سید کی یہ کتاب پہلے درجہ پر ہے، دوسرے درجہ پر اس نوعیت کی کتاب ''ارض القرآن'' ہے۔

جَنَّتٰنِ عَنْ يَّمِيْنٍ وَّ شِمَالٍ، (یعنی دونوں اطراف دائیں اور بائیں باغات کی قطاریں تھیں۔)

یمن سے شام تک تجارت کے لئے راستہ کھلا ہوا تھا۔ اس ملک کی پیداوار اچھی تھی۔ راستہ کے دائیں اور بائیں طرف سے باغات تھے۔

كُلُوْا مِنْ رِّزْقِ رَبِّكُمْ وَ اشْكُرُوْا لَهٗ، (یعنی ان کو کہا گیا کہ اپنے پروردگار کے رزق میں سے کھاؤ اور اس کی قدر کرو۔)

بتلایا ہوا کام مکمل کر کے اس پر الحمدللہ پڑھیں۔

بَلْدَةٌ طَيِّبَةٌ وَّ رَبٌّ غَفُوْرٌ ﴿۱۵﴾ (عمدہ شہر اور بخشنے والا رب۔)

جب تک سیدھے راستے پر چلتے رہو گے اور کام کرو گے، اس صورت میں اگر تم سے غلطی سرزد ہو گی تو وہ معاف کی جائے گی اور تم سے نعمت سلب نہ کی جائے گی۔

فَاَعْرَضُوْا فَاَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ سَيْلَ الْعَرِمِ، (پس انہوں نے سرتابی کی تو ہم نے ان پر بند کا سیلاب بھیج دیا۔)

پہلے تو ایک طریقہ سے ایک بڑا بند بنا کر اس میں پانی جمع کیا جاتا تھا۔ وہاں آبادی کی جاتی تھی۔ وہ بند ٹوٹ گیا۔ بڑا سیلاب آ گیا۔ لوگ ملک چھوڑ کر بھاگ گئے۔ طاقت مکمل طور پر ٹوٹ گئی۔ باغات کی جگہ کانٹے دار پودے پیدا ہونے لگے۔

وَ بَدَّلْنٰهُمْ بِجَنَّتَيْهِمْ جَنَّتَيْنِ ذَوَاتَيْ اُكُلٍ خَمْطٍ وَّ اَثْلٍ وَّ شَيْءٍ مِّنْ سِدْرٍ قَلِيْلٍ ﴿۱۶﴾ ذٰلِكَ جَزَيْنٰهُمْ بِمَا كَفَرُوْا ؕ

(اور ان کے باغوں کو دو ایسے باغوں سے بدل دیا، جن میں بدمزہ پھل اور جھاؤ کے درخت اور کچھ تھوڑے سے بیر۔ یہ ہم نے ان کی ناشکری کا بدلہ دیا۔)

غرض کہ دنیا میں بھی محاسبہ ہوتا ہے، لیکن دنیا کا محاسبہ چھوٹا اور آخرت کا محاسبہ بڑا ہے۔

وَ هَلْ نُجٰزِيْٓ اِلَّا الْكَفُوْرَ ﴿۱۷﴾ (اور ایسا بدلہ ہم اسی کو دیتے ہیں جو ناشکر ہو۔)

ہندوستانی اسلامی سلطنت اس لئے ہمارے ہاتھ سے جاتی رہی کیونکہ چھوٹے نوابوں اور بادشاہوں نے انگریزوں اور فرانسیسی تاجروں سے خفیہ معاہدے کئے اور وہ مسلم تشخص اور اقتدار کے اندرون خانہ مخالف بنے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ حکومت ہمارے ہاتھوں سے نکل گئی۔ ہمیں یقین ہے کہ انہوں نے یہ کفریہ کام کئے ہیں۔ چنانچہ یہ غلامی کی سزا آ کر پہنچی اور حکومت کی نعمت چھینی گئی۔

وَ جَعَلْنَا بَيْنَهُمْ وَ بَيْنَ الْقُرَى الَّتِيْ بٰرَكْنَا فِيْهَا قُرًى ظَاهِرَةً وَّ قَدَّرْنَا فِيْهَا السَّيْرَ ؕ سِيْرُوْا فِيْهَا لَيَالِيَ وَ اَيَّامًا اٰمِنِيْنَ ﴿۱۸﴾

(اور ہم نے ان کے اور ان کی بستیوں کے درمیان، جہاں ہم نے برکت رکھی تھی۔ ایسی بستیاں آباد کیں جو نظر آتی تھیں اور ہم نے ان کے درمیان سفر کی منزلیں ٹھہرادیں۔ ان میں رات دن امن کے ساتھ چلو۔)

مذکورہ آیت میں اہل یمن کو اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا بیان ہے۔ یعنی یمن اور شام جنت نظیر کے درمیان ایک شاہراہ تھی۔ اس کے دونوں اطراف میں باغات تھے اور ہر ایک منزل پر گاؤں تھے۔ چنانچہ غریب ہو یا امیر سب کے لئے تجارت کی سہولت تھی۔ سرمایہ داری کی مصیبت نہیں تھی۔ تجارت کے لئے اتنی بڑی سہولت تھی کہ جنوبی ہند کے بحری جہاز عدن سے یمن پہنچتے تھے۔ عدن میں ہند اور ماوراء ہند کی تجارت یمنی قوم کے ماتحت شام کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ قافلوں کو تجارتی سامان سے بھر کر یمنی لوگ سرسبز راستوں کے ذریعہ شام پہنچتے تھے۔ شام سے یورپ کی طرف باآسانی مال پہنچتا تھا۔ اسی طرح یورپ سے ہندوستان کی طرف مال کی آمدورفت تھی۔ روم میں بڑی شہنشاہیت قائم تھی۔ انہیں گھر بیٹھے یمنی قوم کے ذریعہ یورپ سے باہر کی چیزیں مل جاتی تھیں۔ چنانچہ معلوم ہوا کہ یمن کے باشندے تمدن کے لحاظ سے دنیا کی تجارت کا مرکز تھے۔ اہل یمن کی یہ زندگی متمدن سوسائٹی کے درجہ کی حامل تھی۔ کیونکہ سب مل کر چھوٹی چھوٹی کمپنیاں بناکر تجارت کرتے تھے۔ لیکن جب انہوں نے ناشکری کی یعنی بڑی کمپنیاں اور سرمایہ دارانہ ادارے بنانے کی کوشش کی تو عام لوگوں کے لئے تجارت کرنا مشکل ہوگیا۔ چنانچہ وہ شاہراہ ویران ہوگئی۔ سفر کرنا مشکل ہوگیا۔ ماسوائے چند ایک سرمایہ داروں کے، سوسائٹی کے عام لوگ تجارت سے محروم ہوگئے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ان میں تباہی اور بربادی آگئی۔

یہ قانون ہے کہ جب تک کسی بھی سوسائٹی کا عام طبقہ خوشحال نہیں رہتا، وہ اجتماع اور سوسائٹی کمزور اور بیمار آدمی کے مترادف ہے۔ سوسائٹی کے لوگوں کی طرز زندگی مساوات اور برابری کے مرتبہ پر ہونی چاہئے۔ یمن کے چند سرمایہ داروں، اور مالداروں نے اسے اپنے طبقہ میں محدود کرکے نقصان پہنچایا۔ اس تمام حقیقت کی طرف قرآن مقدس اشارہ کرتا ہے۔

فَقَالُوْا رَبَّنَا بٰعِدْ بَيْنَ اَسْفَارِنَا وَ ظَلَمُوْۤا اَنْفُسَهُمْ فَجَعَلْنٰهُمْ اَحَادِيْثَ وَ مَزَّقْنٰهُمْ كُلَّ مُمَزَّقٍ ؕ
اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ﴿۱۹﴾

(پھر انہوں نے کہا کہ اے ہمارے رب! ہمارے سفروں کے درمیان دوری ڈال دے اور انہوں نے اپنی جانوں پر ظلم کیا تو ہم نے ان کو افسانہ بنادیا اور ہم نے ان کو بالکل تتر بتر کردیا۔ بے شک اس میں نشانی ہے ہر صبر کرنے والے شکر کرنے والے کے لئے۔)

یعنی (انہوں نے) کہا کہ اے ہمارے پروردگار! ہماری مسافتوں میں دوری کر اور اپنے آپ پر ظلم کیا۔ غرض کہ سفر تجارت سرمایہ دار اور مالدار کے لئے خاص ہو، اس طرح وہ اپنے نفسوں پر ظلم کر چکے۔ کیونکہ پہلی نعمت جس میں غریب ہوں یا امیر سب کو تجارت کے مواقع حاصل تھے، اس کی ناشکری کر کے نافرمان او ربے عمل ہوئے۔

غرض کہ جب مالداروں نے مشترکہ تجارت اور سوسائٹی کی بہتری کو روکنے اور خود غرضی کے کام شروع کئے تو انہیں وہ سزا ملی کہ پانی کا بند ٹوٹ گیا۔ سیلاب آگیا۔ راستے تباہ ہوگئے۔ تجارت کم ہوگئی۔

اس کے بعد روم کی شہنشاہیت کو دوسرا راستہ تلاش کرنا پڑا۔ مصر سے مال منگوا کر بحیرہ قلزم سے کشتیوں کے ذریعہ بلاواسطہ ہندوستان سے تجارتی تعلق قائم کیا گیا۔ چنانچہ عرب میں کساد بازاری پیدا ہوگئی۔ تجارت روم کے ہاتھ میں آگئی۔ وہی یورپ کی تجارت اب بھی نہر سوئیز کے ذریعہ ہندوستان کے ساتھ جاری ہے۔ یورپ کی موجودہ لڑائی بھی تجارتی ہے۔ (اس لڑائی سے مولانا سندھی کی مراد جنگ عظیم دوئم ہے۔ مترجم) ظلموا انفسھم کی مندرجہ بالا تفسیر یورپ جانے کے بعد ہم پر واضح ہوگئی۔

قریش کی سوسائٹی :

ہم بتاچکے ہیں کہ قریش یمنی اور شامی قوموں کی تمدن کے جامع تھے۔ وہ بھی وہی تجارت کرتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کے زمانہ سے تھوڑا پہلے انہوں نے پھر سے پرانی تجارت کو زندہ کیا۔ سورۃ الایلاف کی تفسیر کو پڑھ کر دیکھیں۔۔۔ آپ کو یہ بات واضح نظر آئے گی کہ شاہراہ پرامن نہیں تھی، لیکن قریش چونکہ بیت اللہ کے متولی تھے، سب لوگ ان کی عزت کرتے تھے، انہیں کوئی نقصان نہیں پہنچاتا تھا۔ سیاسی اور تمدنی ترقی کے لئے عربوں نے پھر سے عرب کی تجارت کو زندہ کیا۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ آگے چل کر وہ حکومت کے مالک بنے۔ یورپ کو بھی فتح کیا۔ عربوں کے اندر ایسی قابلیت اور صلاحیت موجود تھی۔

احیائے یورپ :

یورپین قومیں دوبارہ جاگ اٹھیں۔ جیسے پہلی مرتبہ بحیرہ قلزم کے ذریعہ عرب کی تجارت کو ختم کیا۔ اسی طرح پھر نہر سوئیز کے ذریعہ عرب پر قبضہ کرلیا اور مصر اور سوڈان بھی ان کے قبضہ میں آگیا۔ سلطان ترکی کے نائب کے ساتھ (جو مصر اور سوڈان میں رہتے تھے) خفیہ معاہدات کئے گئے کہ آپ ہمارے خلاف سلطان ترکی کے احکامات کو مانیں گے تو آپ

کو اتنے پیسے دیئے جائیں گے۔ بالآخر ان غداروں کو لالچ دے کر ایک بڑی اسلامی سلطنت کی پیٹھ میں چھرا گھونپا گیا۔

لارڈ کرزن جب عرب کے مشرقی ساحلوں کی طرف گئے ہوئے تھے، تو ان کے ترجمان مولوی حمید الدین صاحب تھے۔ انہوں نے ہمیں پوری روداد سنائی کہ کس طرح انگریزوں نے مسلمان گورنروں اور نوابوں کو لالچ دی۔ شریف حسین کے معاہدات تو انگریزوں نے شائع کر دیئے ہیں۔ ہر ایک ان کو پڑھ کر عبرت حاصل کر سکتا ہے، کہ کس طرح ایک بڑی اسلامی سلطنت کو شکست دی گئی۔ ہم نے زوال کے اسباب کا مطالعہ کیا۔ ان کی سب سے بڑی وجہ اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کی ناشکری ہے۔ ترکی کی شکست میں عربوں کا بڑا ہاتھ تھا۔

وہی حال ہندوستان میں اسلامی سلطنت کا ہوا۔ دہلی کے ۱۹ صوبے تھے۔ صرف ایک صوبے کی آمدن سے ایران کی سلطنت کو خرید سکتے تھے۔ افسوس کہ، اتنی بڑی سلطنت تباہ ہو گئی! اب ہمیں یقین کامل ہے کہ حضرت شاہ ولی اللہ کے پروگرام کے ذریعہ ہم وہ طاقت واپس حاصل کر سکتے ہیں۔

وَلَقَدْ صَدَّقَ عَلَيْهِمْ اِبْلِيْسُ ظَنَّهٗ فَاتَّبَعُوْهُ اِلَّا فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲۰﴾

(اور ابلیس نے ان کے اوپر اپنا گمان سچ کر دکھایا۔ پس انہوں نے اس کی پیروی کی، مگر ایمان والوں کا ایک گروہ (بچ گیا))

یہ حقیقت ہے کہ ایک ملک کے تمام باشندے خراب نہیں ہوا کرتے۔ کچھ لوگ اچھے بھی ہوں گے۔ نوح کنوح والی حدیث کا مطلب بھی یہی ہے، جسے ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ خراب لوگوں کو شیطان یہ دلاسہ دیتا رہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہم سے حساب نہیں لے گا۔ یہ لوگ اس امید پر ظلم کرتے رہے۔ یہ شیطان کا گمان ہے۔۔۔

وَمَا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطٰنٍ اِلَّا لِنَعْلَمَ مَنْ يُّؤْمِنُ بِالْاٰخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِيْ شَكٍّ ؕ وَرَبُّكَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ حَفِيْظٌ ﴿۲۱﴾

(اور ابلیس کو ان کے اوپر کوئی اختیار نہ تھا، مگر یہ کہ ہم معلوم کر لیں، ان لوگوں کو جو آخرت پر ایمان رکھتے ہیں ان لوگوں سے (الگ کر کے جو اس کی طرف سے شک میں ہیں)، اور تمہارا رب ہر چیز پر نگراں ہے۔)

سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ :

ہمارے خیال کے مطابق ہندوستان کی چھوٹی بادشاہوں میں سے سلطان ٹیپو رحمۃ اللہ علیہ ان مومنین میں سے ہیں جن پر شیطان غلبہ نہ پا سکا۔ ہندوستان کے دیگر نوابوں نے انگریزوں کے ساتھ خفیہ معاہدے کئے۔ انگریزوں کی طرف سے جو بھی معاہدے ہوئے وہ تجارتی نوعیت کے تھے۔ پہلے یورپی اس درجہ کے چاپلوس اور ذلیل تھے کہ ایک یورپی نے نظام (دکن) کو خط لکھا کہ ''ہم یورپ کے لوگ آپ کے پیر چومنے اور زیارت کے لئے آئے ہیں۔''

بہر حال ایسی چاپلوسیوں کی وجہ سے نظام بے ایمان ہو گیا۔ اس کے دل میں اگر ایسی بے ایمانی نہ ہوتی تو کبھی غداری نہ کرتا۔ انگریزوں کے پاس اس زمانہ میں کوئی قوت نہیں تھی، لیکن مسلمانوں کی باہمی چپقلش کی وجہ سے اسے فائدہ ہوا۔

سورہ سبا میں دو اہم باتیں ہیں :

سورہ سبا میں دو اہم باتیں ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ انسان کے اعمال کا حساب دنیا ہی میں جاری ہے۔ یہ مسئلہ اس اعتقاد پر قائم ہے کہ دنیا میں نفع اور نقصان پہنچانے والا اللہ تعالیٰ ہے۔ انسان ایک بڑی قوت ہے۔ اس کی مخالف قوت کو ابلیس یا شیطان کہا جاتا ہے۔ ابلیس ایسی مشترکہ قوت کا نام ہے جو انسانیت کے مقابل کام کرتی ہے۔ ایسے ابلیس انسانوں میں بھی ہو سکتے ہیں۔ ایسے ابلیسوں کو تحفظ فراہم کرنے کی خاطر کچھ مذہبی لوگوں نے یہ باطل عقیدہ بنایا کہ خدا کے غیر کو ''خداوند قدوس'' کا درجہ دے کر اسے شفاعت کرنے والا ماننے لگے۔ ایسے مردود مذہبی پیشواؤں کا رد مندرجہ ذیل آیت میں آتا ہے۔ اس سورت میں دوسری خاص بات یہ ہے کہ اس میں اِس سوال کا جواب دیا گیا ہے کہ کیا عرب میں سے کوئی ایسی سوسائٹی پیدا ہو سکے گی، جو عالمگیر انقلاب لا سکے؟ یمن اور شام بڑی طاقتیں تھیں۔ ان کا بڑا تمدن تھا، لیکن تباہ ہو گئیں۔ لیکن اس (حجاز کی) سرزمین میں یہ قابلیت موجود ہے کہ یہاں انقلابی طبیعت کے حامل افراد پیدا ہو سکتے ہیں، جن کے ہاتھوں دوبارہ ترقی کے امکانات موجود ہیں۔

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿۲۲﴾

(کہو کہ ان کو پکارو جن کو تم نے خدا کے سوا معبود سمجھ رکھا ہے' وہ نہ آسمانوں میں ذرہ برابر اختیار رکھتے ہیں اور نہ زمین میں اور نہ ان دونوں میں ان کی کوئی شرکت ہے اور نہ ان میں سے کوئی اس کا مددگار ہے۔)

غرض کہ جب انقلاب آئے گا تو افراد انسانیت کے دشمن یا ان کے مذہبی پیشہ ور مرشد (جنہیں وہ خداوند قدوس کا درجہ دے کر خدائی احکامات کو چھوڑ کر ان کے احکامات کو سر بچشم کئے بیٹھے ہیں)۔ کوئی نفع نہ پہنچائیں گے اور نہ مدد کریں گے۔ عام طور پر خدا کے حکم اور قانون کے ساتھ مذہبی پیشہ وروں کے دوسرے قانون کو بھی مانا جاتا ہے، یہ شرک ہے۔

اس کے علاوہ کچھ انسانیت کش افراد نے شفاعت بلااذن (اللہ تعالیٰ کی اجازت کے سوا) کا مسئلہ پیدا کیا ہے۔ وہ یا جو لوگ اس قسم کی تعلیم دیتے ہیں، وہ انسانیت کے دشمن ہیں۔ انبیاء علیہم السلام اور اولیاء کرام بالکل شفاعت کریں گے، لیکن وہ شفاعت اللہ تعالیٰ کے اذن اور اجازت سے ہے۔

وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهٗٓ اِلَّا لِمَنْ اَذِنَ لَهٗ ؕ حَتّٰٓى اِذَا فُزِّعَ عَنْ قُلُوْبِهِمْ قَالُوْا مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ ؕ قَالُوا الْحَقَّ وَهُوَ الْعَلِيُّ الْكَبِيْرُ ﴿۲۳﴾

(اور اس کے سامنے کوئی شفاعت کام نہیں آتی مگر اس کے لئے جس کے لئے وہ اجازت دے۔ یہاں تک کہ جب ان کے دلوں سے گھبراہٹ دور ہو گی تو وہ پوچھیں گے کہ تمہارے رب نے کیا فرمایا۔ وہ کہیں گے کہ حق بات کا حکم فرمایا اور وہ سب سے اوپر ہے، سب سے بڑا ہے۔)

غرض کہ اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے بغیر شفاعت انہیں کوئی نفع نہیں دے گی۔ اللہ تعالیٰ کی رضامندی اس کی اجازت سے معلوم ہو گی۔ اللہ تعالیٰ کے اذن اور حکم سننے سے معلوم ہو گا اور یہ سننے کی قوت انبیاء علیہم السلام اور فرشتوں کو ہے۔ اور جب وہ اللہ تعالیٰ کا حکم سنیں گے تو انہیں غشی لاحق ہو جائے گی، اسے نہ سمجھیں گے۔ لیکن جب ان کے دلوں میں سے خوف دور کیا جائے گا، تو اپنے دلوں میں کہیں گے کہ تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا؟ پھر اس حکم اور فرمان کا نقشہ ان کے دلوں پر ظاہر ہو گا، اس وقت لوگوں کو کہیں گے کہ خدا کا فرمان برحق ہے، کیونکہ وہ مخلوق سے بلند تر ہے۔ اس کے قرب سے بھی اس کی ہیبت ختم نہ ہو گی، کیونکہ وہ کبیر (بڑا) ہے۔

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ قُلِ اللّٰهُ ۙ وَاِنَّآ اَوْ اِيَّاكُمْ لَعَلٰى هُدًى اَوْ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۴﴾

(کہو کہ کون تم کو آسمانوں اور زمین سے رزق دیتا ہے۔ کہو کہ اللہ اور ہم میں اور تم میں سے کوئی ایک ہدایت پر ہے یا کھلی ہوئی گمراہی میں۔)

حاصل مطلب یہ ہوا کہ یا تو یہ عقیدہ رکھیں کہ نفعہ اور نقصان اس ایک پاک ذات کے ہاتھ میں ہے، یا اس بات کا انکار کر دیں۔ ہم اور لادینی انقلابیوں میں فرق صرف اس بات کا ہے کہ ہمیں انقلاب کے لئے ہر چیز قربان کرنی ہے، لیکن اس کا اجر اور نفع دینے والا صرف اللہ تعالیٰ کو جانتے ہیں۔ جبکہ لادینی انقلابی خدا کے انکاری ہیں۔ ہم انہیں کہہ سکتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کو ماننے میں ہم ہدایت پر ہیں اور آپ انکار کرنے سے گمراہی پر ہیں۔

یورپ کے پہلے انقلابی متدین تھے :

یورپ میں انقلاب کی ابتداء اور شروعات متدین لوگوں سے ہوئی ہے۔ بعد میں یہ تحریک لادینی افراد کے ہاتھوں میں چلی گئی۔ لادینی افراد متدین لوگوں کو یہ دھوکہ دیتے ہیں کہ آپ مذہبی لوگ ہیں۔ آپ کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ چنانچہ ایسی باتوں میں الجھ کر انہیں سیاست سے دور رکھ کر خود اس میدان پر قابض ہو جاتے ہیں۔

انور پاشا کی پارٹی اور کمال پاشا :

غازی انور پاشا مرحوم کی پارٹی متدین تھی، وہ انقلاب لائی۔ لیکن اس کے بعد کمال پاشا مرحوم کی لادینی پارٹی نے ملک پر قبضہ کر لیا۔ غازی مصطفیٰ کمال پاشا بھی بذت خود ایک دیندار آدمی تھے۔ لیکن ان کے ورکرز لادینی تھے۔ ان کا خیال تھا کہ جب جنگ کے شعلے ختم ہوں گے تو اسلام کی بات عمل میں لائیں گے۔ کمال پاشا مرحوم کی پارٹی میں شیخ عبدالعزیز چاویش ایک متدین انقلابی تھے۔ کسی چھوٹی سی بات پر ناراض ہو کر مصر چلے گئے۔ وہاں جا کر کچھ راز فاش کر دیئے۔ چنانچہ اس سے ترکی کو نقصان پہنچا۔ اس کے بعد مصطفیٰ کمال مرحوم نے ایسے لوگوں سے خفہ ہو کر ان کی پارٹی میں داخلہ پر پابندی لگادی۔

قُلْ لَّا تُسْـَٔلُوْنَ عَمَّآ اَجْرَمْنَا وَلَا نُسْـَٔلُ عَمَّا تَعْمَلُوْنَ ﴿۲۵﴾

(کہو کہ جو قصور ہم نے کیا، اس کی کوئی پوچھ تم سے نہ ہو گی۔ اور جو کچھ تم کر رہے ہو اس کی بابت ہم سے نہیں پوچھا جائے گا۔)

ایک سیاسی اور علمی مسئلہ :

ہمارے نزدیک ایک دیندار کو اس وقت انقلابی کہا جائے گا، جب وہ غیر تمند ہو اور لادین کے ساتھ رہ کر بھی اپنے آپ کو دین پر قائم رکھے اور اپنے اصولوں پر مضبوط رہے۔

ایک دیندار انقلابی کو بالآخر یہی اعلان کرنا پڑے گا۔ انقلابی اُسی کو کہا جاتا ہے جو غیروں سے مرعوب نہ ہو۔ بلکہ خود ان پر اثر انداز ہو۔ میں انقلابی ہوں، لیکن میرا انقلاب امام شاہ ولی اللہ کے طریقہ پر قرآن حکیم کے احکامات کے مطابق ہے۔ ہمارے دیگر انقلابی دوست یہ شرط نہیں رکھتے۔ گاندھی جی ایک مخصوص طریقہ کے انقلابی ہیں۔ اسی طرح جواہر لعل نہرو بھی انقلابی ہیں، لیکن دونوں میں فرق ہے۔ میرا انقلاب (انقلابی فکر) دونوں سے میل نہیں کھاتا، لہٰذا ہمارا راستہ دیگر انقلابیوں سے علیحدہ ہے۔

قُلْ يَجْمَعُ بَيْنَنَا رَبُّنَا ثُمَّ يَفْتَحُ بَيْنَنَا بِالْحَقِّ ؕ وَهُوَ الْفَتَّاحُ الْعَلِيْمُ ﴿۲۶﴾ قُلْ اَرُوْنِيَ الَّذِيْنَ اَلْحَقْتُمْ بِهٖ شُرَكَآءَ كَلَّا ؕ بَلْ هُوَ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ﴿۲۷﴾

(کہو کہ ہمارا رب ہم کو جمع کرے گا۔ پھر ہمارے درمیان حق کے مطابق فیصلہ فرمائے گا اور وہ فیصلہ فرمانے والا ہے' علم والا ہے' کہو مجھے وہ دکھاؤ جن کو تم نے شریک بنا کر خدا کے ساتھ ملا رکھا ہے۔ ہرگز نہیں' بلکہ وہ اللہ زبردست ہے' حکمت والا ہے۔)

مکہ مکرمہ میں نبی کریم ﷺ کے مخالف قریش ہیں۔ وہ ابراہیمی طریقہ کے مدعی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کو مانتے ہیں، لیکن ان کی بے وقوفی یہ ہے کہ انہوں نے غیر اللہ کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنایا ہے۔ چنانچہ حکم آتا ہے کہ جنہیں آپ اللہ تعالیٰ کا شریک بناتے ہیں، وہ دکھلائیں؟ یہاں یہ بات ملحوظ رہے کہ سورۃ کی ابتدا سے اعمال کا حساب اور عرب قوم کے تمدن کی بحث جاری ہے۔ جو افراد اعمال کی جزا و سزا کو نہیں مانتے، وہ اپنے فائدے کے لئے عام لوگوں کا نقصان کر رہے ہیں اور عوام کا نقصان کرنے والا شیطان ہے۔ لہٰذا دینی انقلاب آئے گا، جس میں ایسے شیطانوں کو نیست و نابود کر دیا جائے گا۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کیا قریش میں ایسی قوت تھی جو عالمی انقلاب کا بوجھ اٹھا سکے؟ ہم نے قریش کو داؤد علیہ السلام اور سبا کی خلافت کا جانشین ثابت کیا ہے۔ سمندر کی طاقت اگرچہ رومیوں کے زیر نگیں تھی، لیکن قریش قدیم تجارتی شاہراہ کو از سر نو زندہ کرنے کے در پے تھے۔ اور اس کے ذریعہ سے شام سے تجارت ان کا مقصد تھا۔ یہ ایک تاریخی چیز ہے جسے چھوڑنے کی وجہ سے یمن تباہ ہوا۔ قریش ایک بہادر قوم تھی، وہ بزدلی کی تاریخ سننے کے لئے تیار نہ تھے۔ اگرچہ خود کو ''اُمّی'' کہلاتے تھے۔ معلوم ہوا کہ ان میں انقلاب کی قوت تھی۔ لیکن وہ انقلاب دینی ہوگا یا لادینی؟ یہ سوال قریش کی قدیم تاریخ پر نظر رکھنے سے حل ہو سکتا ہے۔ انہیں دین کی قوت (بیت اللہ کی مجاوری) کی وجہ سے شام کا راستہ مل گیا تھا۔ لہٰذا ان کا انقلاب لازمی طور پر دینی ہوگا۔ لیکن انہیں ایک خاص دینی پروگرام کی ضرورت تھی۔ وہ انہیں (اسلام کی صورت میں) مل گیا۔

وَمَآ اَرْسَلْنٰكَ اِلَّا كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا وَّلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۲۸﴾ وَيَقُوْلُوْنَ مَتٰى هٰذَا الْوَعْدُ اِنْ كُنْتُمْ صٰدِقِيْنَ ﴿۲۹﴾ قُلْ لَّكُمْ مِّيْعَادُ يَوْمٍ لَّا تَسْتَاْخِرُوْنَ عَنْهُ سَاعَةً وَّلَا تَسْتَقْدِمُوْنَ ﴿۳۰﴾

(اور ہم نے تم کو تمام انسانوں کے لئے خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا بنا کر بھیجا ہے، مگر اکثر لوگ نہیں جانتے اور وہ کہتے ہیں کہ یہ وعدہ کب ہوگا اگر تم سچے ہو۔ کہو کہ تمہارے لئے ایک خاص دن کا وعدہ ہے کہ اس سے نہ ایک ساعت پیچھے ہٹ سکتے ہو اور نہ آگے بڑھ سکتے ہو۔)

غرض کہ وہ انقلاب کا دن طے شدہ ہے، ضرور آئے گا، اور کم و بیش نہ ہوگا۔ امام شاہ ولی اللہ کی کتاب ''ازالۃ الخفا'' میں لِيُظْهِرَهٗ عَلَى الدِّيْنِ (۴۸:۲۸) کی تفسیر کے مطالعہ سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اسلام تمام ادیان پر کس طرح غالب ہوگا، یہ شاہ صاحب نے احادیث سے ثابت کیا ہے۔

دشمنانِ انقلاب :

انقلاب اُسی وقت آ سکتا ہے، جب انقلاب کی سدراہ طاقتوں کو ختم کیا جائے۔ وہ سرمایہ دار ہوں، خواہ زمیندار، جو

اپنے فائدے کے لئے عوام کا نقصان کریں۔ ایسے لوگ انقلاب کو روکنے والے ہوتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ ؕ

(اور جن لوگوں نے انکار کیا وہ کہتے ہیں کہ ہم ہرگز نہ اس قرآن کو مانیں گے اور نہ اس کو جو اس کے آگے ہے۔)

دینی انقلاب کے دشمن لادینی قوتیں ہوتی ہیں۔ ان میں دو قسم کے افراد ہوتے ہیں۔ اول متکبر لوگ (مستکبرین) جو اپنے آپ کو بڑا سمجھ کر اپنا قانون جاری کرنا چاہتے ہیں۔ دوئم غلام ذہنیت کے کمزور لوگ۔ انہیں پہلے قسم کے افراد اپنا تابعدار بناتے ہیں۔

وَلَوْ تَرٰۤى اِذِ الظّٰلِمُوْنَ مَوْقُوْفُوْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ يَرْجِعُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضِ ۨ الْقَوْلَ يَقُوْلُ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لَوْلَاۤ اَنْتُمْ لَكُنَّا مُؤْمِنِيْنَ ﴿۳۱﴾ قَالَ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْۤا اَنَحْنُ صَدَدْنٰكُمْ عَنِ الْهُدٰى بَعْدَ اِذْ جَآءَكُمْ بَلْ كُنْتُمْ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾ وَقَالَ الَّذِيْنَ اسْتُضْعِفُوْا لِلَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا بَلْ مَكْرُ الَّيْلِ وَالنَّهَارِ اِذْ تَاْمُرُوْنَنَاۤ اَنْ نَّكْفُرَ بِاللّٰهِ وَنَجْعَلَ لَهٗۤ اَنْدَادًا ؕ وَاَسَرُّوا النَّدَامَةَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ ؕ وَجَعَلْنَا الْاَغْلٰلَ فِيْۤ اَعْنَاقِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ؕ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۳۳﴾

(اور اگر تم اس وقت کو دیکھو جب کہ یہ ظالم اپنے رب کے سامنے کھڑے کئے جائیں گے۔ ایک دوسرے پر بات ڈالتا ہو گا۔ جو لوگ کمزور سمجھے جاتے تھے، وہ بڑا بننے والوں سے کہیں گے کہ اگر تم نہ ہوتے تو ہم ضرور ایمان والے ہوتے۔ بڑا بننے والے کمزور لوگوں کو جواب دیں گے۔ کیا ہم نے تم کو ہدایت سے روکا تھا۔ جب کہ وہ تم کو پہنچ چکی تھی' بلکہ تم خود مجرم ہو اور کمزور لوگ بڑے لوگوں سے کہیں گے۔ نہیں بلکہ تمہاری رات دن کی تدبیروں سے' جب کہ تم ہم سے کہتے تھے کہ ہم اللہ کے ساتھ کفر کریں اور اس کے شریک ٹھہرائیں اور وہ اپنی پشیمانی کو چھپائیں گے جب کہ وہ عذاب دیکھیں گے اور ہم منکروں کی گردن میں طوق ڈالیں گے۔ وہ وہی بدلہ پائیں گے جو وہ کرتے تھے۔)

غرض کہ کمزوروں اور متکبروں دونوں کو ایک ہی سزا ملے گی۔ مثال کے طور پر دس لوگ کسی کا خون کرتے ہیں، تو دسیوں کو ہی پھانسی پر چڑھایا جاتا ہے۔ خود ساختہ مستکبرین کا بیان قوم سبا کے ذکر میں آچکا ہے۔ وہ بین الاقوامی انقلاب کے دشمن ہوتے ہیں۔ انقلاب اُسی وقت آتا ہے جب انقلاب دشمن قوتوں کا تعین کیا جائے۔ چنانچہ مندرجہ ذیل آیات میں ان خود ساختہ مستکبرین یعنی سرمایہ دار اور انقلاب کے دشمنوں کو پہچاننے کے لئے چند نشانیاں بیان کی گئی ہیں، تاکہ عوام انہیں پہچان سکیں۔

دینی انقلاب کے دشمنوں کی علامات :

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّذِيْرٍ اِلَّا قَالَ مُتْرَفُوْهَآ اِنَّا بِمَآ اُرْسِلْتُمْ بِهٖ كٰفِرُوْنَ ﴿۳۴﴾ وَقَالُوْا نَحْنُ اَكْثَرُ اَمْوَالًا وَّاَوْلَادًا وَّمَا نَحْنُ بِمُعَذَّبِيْنَ ﴿۳۵﴾

(اور ہم نے جس بستی میں بھی کوئی ڈرانے والا بھیجا، تو اس کے خوش حال لوگوں نے یہی کہا کہ ہم تو اس کے منکر ہیں جو دے کر تم بھیجے گئے ہو اور انہوں نے کہا کہ ہم مال اور اولاد میں زیادہ ہیں اور ہم کبھی سزا پانے والے نہیں۔)

مطلب یہ کہ کمزور افراد کی مزاحمت ہمارا کیا بگاڑے گی اور وہ ہمیں کیسے شکست دے سکیں گے۔ انقلاب کی راہ میں رکاوٹ ہمیشہ، خود ساختہ سرمایہ دار بنتے ہیں اور جیسا کہ وہ اہل ثروت ہوتے ہیں، لہٰذا آرام طلب ہوتے ہیں۔

جب تک کوئی سرمایہ دار کی مخالفت کی وجوہات کو نہیں سمجھتا، وہ انقلابی نہیں بن سکتا۔

''رفاہیت بالغہ'' کی تشریح :

حضرت شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ علیہ کی ایک خاص اصطلاح ''رفاہیت بالغہ'' ہے۔ جسے وہ شرک کی مانند سمجھتے ہیں۔ کوئی انسان مزدوری یا اور کوئی کام کرتا ہے، اسے سخت محنت سے تکلیف پہنچتی ہے اور وہ اس تکلیف کو دور کرنے کے لئے آرام کرتا ہے، یہ آرام درست ہے۔ دوسرا آرام تکلیف کے بغیر ہے جسے ''رفاہیت بالغہ'' (انتہائی درجہ کی آرام طلبی یا عیش و عشرت) کہا جاتا ہے۔ ایسے افراد دولت اس لئے جمع کرتے ہیں تاکہ پیسوں کے عوض آرام طلبی حاصل کریں۔ انسانیت عامہ میں ایسا فرد ایک ایسا مریض ہے، جو خدا کو مانتا ہے اور نہ ہی خدا کے رسول ﷺ کو۔ وہ صرف عیش و آرام کا طالب ہے، اگرچہ وہ بظاہر اللہ تعالیٰ کا نام لیتا ہو۔ ایسی آرام طلبی کی وجہ سے اکثر لوگ کئی حرام کاموں کے مجرم بن جاتے ہیں۔ جیسے سود اور رشوت۔ ایسے افراد انسانیت کے لئے چوروں اور ڈاکوؤں سے بھی زیادہ بدنما داغ ہیں۔ رفاہیت کی طلب مفت خوری سے پیدا ہوتی ہے۔ آرام طلب انسان ہی سب سے پہلے انبیاء علیہم السلام کے مخالف ہوتے ہیں، کیونکہ نظام نو کے اندر انہیں دولت بٹورنے اور محنت کا استحصال کرنے کی مطلق العنانیت نہیں ملتی۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَقْدِرُ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۳۶﴾

(کہو کہ میرا رب جس کو چاہتا ہے زیادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے کم کر دیتا ہے' لیکن اکثر لوگ نہیں جانتے۔)

غرض کہ رزق کی زیادتی اور کمی ایک خاص قاعدہ کے تحت ہے۔ جس میں مال کمانے کی قابلیت زیادہ ہوگی وہ زیادہ کمائے گا۔ لیکن خدائی قرب اس کے ساتھ مشروط نہیں ہے۔

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا فَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ جَزَآءُ الضِّعْفِ بِمَا عَمِلُوْا وَهُمْ فِي الْغُرُفٰتِ اٰمِنُوْنَ ﴿٣٧﴾

(اور تمہارے مال اور تمہاری اولاد وہ چیز نہیں جو درجہ میں تم کو ہمارا مقرب بنادے' البتہ جو ایمان لایا اور اس نے نیک عمل کیا' ایسے لوگوں کے لئے ان کے عمل کا دونا بدلہ ہے۔ اور وہ بالاخانوں میں اطمینان سے رہیں گے۔)

عمل صالح کے معنی یہ ہیں کہ سماج میں نادار (Haves not) کے لئے کام کرنا، محنت کرنا۔ ایسا کام آرام طلب لوگوں سے نہیں ہوگا۔ اور حد سے زیادہ آرام پسندوں کی آرام طلبی کا لازمی نتیجہ جہنم ہے۔

وَالَّذِيْنَ يَسْعَوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِنَا مُعٰجِزِيْنَ اُولٰٓئِكَ فِي الْعَذَابِ مُحْضَرُوْنَ ﴿٣٨﴾

(اور جو لوگ ہماری آیتوں کو نیچا دکھانے کے لئے سر گرم ہیں، وہ عذاب میں داخل کئے جائیں گے۔)

مذکورہ عادت آرام طلب لوگوں میں ہوتی ہے کہ اگر کمزور اور ضعیف طبقات کی بحالی کے لئے جدوجہد کی جاتی ہے تو وہ رکاوٹ بنتے ہیں۔ دوسری طرف وہ دولت کی بناء پر اللہ تعالیٰ کے قرب کے مدعی بھی بنتے ہیں۔ حالانکہ وہ اللہ کے مقرب کیسے ہوسکتے ہیں؟ بلکہ اللہ کا وعدہ ہے کہ انہیں ان کی حاصلات کچھ نفع نہیں پہنچائیں گی۔

قُلْ اِنَّ رَبِّيْ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ لَهٗ ۭ وَمَآ اَنْفَقْتُمْ مِّنْ شَيْءٍ فَهُوَ يُخْلِفُهٗ ۚ وَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿٣٩﴾
وَيَوْمَ يَحْشُرُهُمْ جَمِيْعًا ثُمَّ يَقُوْلُ لِلْمَلٰۗىِٕكَةِ اَهٰٓؤُلَاۗءِ اِيَّاكُمْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ﴿٤٠﴾ قَالُوْا سُبْحٰنَكَ اَنْتَ وَلِيُّنَا مِنْ دُوْنِهِمْ ۚ بَلْ كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ ۚ اَكْثَرُهُمْ بِهِمْ مُّؤْمِنُوْنَ ﴿٤١﴾

(کہو کہ میرا رب اپنے بندوں میں سے جس کو چاہتا ہے کشادہ روزی دیتا ہے اور جس کو چاہتا ہے تنگ کر دیتا ہے۔ اور جو چیز بھی تم خرچ کرو تو وہ اس کا بدلہ دے گا اور وہ بہتر رزق دینے والا ہے۔ اور جس دن وہ ان سب کو جمع کرے گا پھر وہ فرشتوں سے پوچھے گا' کیا یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے۔ وہ کہیں گے پاک ہے تیری ذات، ہمارا تعلق تجھ سے ہے نہ کہ ان لوگوں سے۔ بلکہ یہ جنوں کی عبادت کرتے تھے۔ ان میں سے اکثر لوگ انہیں کے مومن تھے۔)

عام طور پر ہر آدمی خود کو دین اور فطرت کے موافق ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ چور اگر چوری کرتا ہے تو کہتا ہے کہ میں نے مال حاصل کرنے کے لئے محنت کی اور یہ میری محنت کا ثمر ہے۔

دوسری یہ بات معلوم ہو کہ ہندوؤں کا ایک فیصد ایسا مشکل سے ملے گا جو اللہ تعالیٰ کی بلاواسطہ عبادت کرتا ہو۔ بلکہ فرشتوں اور دیوی دیوتاؤں کا پجاری ہوگا۔ ان سے اگر پوچھا جاتا ہے کہ آپ کس کی عبادت کرتے ہیں، تو جواب دیتے ہیں کہ اللہ /خدا کی عبادت کرتے ہیں۔ عام مسلمانوں میں بھی ایسے افراد ملیں گے جو عبادت تو غیر اللہ کی کرتے

ہیں، لیکن جواب میں خدا کا نام لیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ وہ پیر فقیر خدا کے مقرب ہیں اور ہمارے اور خدا کے قرب کے درمیان وسیلہ ہیں۔ ان ہندوؤں اور ایسے مسلمانوں میں کوئی فرق نہیں۔ جس طرح عبادت میں مذکورہ نوعیت کی تحریف آگئی ہے، اسی طرح مذاہب اور طریقوں میں کچھ لوگوں نے زیادتی اور تعصب سے کام لیا ہے۔ جیسے کوئی آدمی حنفی مذہب کا مقلد ہے، تو کوئی مسئلہ اپنے فقہ حنفی کی کتابوں میں اسے صحیح حدیث اور قرآن کے مقابل نظر آئے گا، تو پھر بھی اس کو نہیں چھوڑے گا۔ یہ عام لوگوں کی صورتحال ہے۔ البتہ خاص لوگ اس سے الگ ہیں۔ اس طرح کچھ عام افراد کسی طریقہ قادریہ یا نقشبندیہ میں سے کسی شیخ طریقت کی بیعت کرتے ہیں، تو اپنے مرشدین کو اس درجہ تک پہنچاتے ہیں کہ فرشتہ جان کر ان کی پرستش کی جاتی ہے۔ اپنی زندگی میں وہ بزرگ انہیں منع بھی کرے تو مرنے کے بعد انہیں کون روک سکتا ہے۔ ہندو بھی اس طرح کی پابندی کی وجہ سے پھنس گئے ہیں۔ معلوم ہوا کہ تقلید میں پہلے قرآن کو سامنے رکھ کر پھر مذہبی پیشوا کو اس کے سمجھنے کی خاطر تعلیم کا واسطہ بنایا جائے تو جائز ہے۔ بیت اللہ کی طرف منہ کر کے نماز پڑھنا بھی اسی طرح ہے۔ لیکن جو خدا کو بھول جائے گا، اسے بیت اللہ کا پجاری کہا جائے گا۔ ہندوؤں میں گمراہی اس طرح پھیل گئی کہ کسی بزرگ نے انہیں عبادت کا راستہ دکھایا ہوگا۔ چنانچہ آگے چل کر اللہ تعالیٰ کو بھی بھول کر ان بزرگوں کے ناموں کے بت بنا کر پوجا کرنے لگے۔

فَالْيَوْمَ لَا يَمْلِكُ بَعْضُكُمْ لِبَعْضٍ نَّفْعًا وَّلَا ضَرًّا ؕ وَنَقُوْلُ لِلَّذِيْنَ ظَلَمُوْا ذُوْقُوْا عَذَابَ النَّارِ الَّتِيْ كُنْتُمْ بِهَا تُكَذِّبُوْنَ ﴿۴۲﴾

(پس آج تم میں سے کوئی ایک دوسرے کو نہ فائدہ پہنچا سکتا ہے، اور نہ نقصان اور ہم ظالموں سے کہیں گے کہ آگ کا عذاب چکھو جس کو تم جھٹلاتے تھے۔)

غرض کہ ان کے معبود بھی انہیں نفعہ نہیں پہنچائیں گے اور فرشتے بھی بیزاری کا اظہار کریں گے۔

ظلم کی تفسیر:

ظلم صرف شرک تک محدود نہیں ہے بلکہ سرمایہ داری، اور رفاہیت بالغہ (عیش و عشرت کی زندگی) بھی ظلم میں داخل ہے، کیونکہ زیادہ مال ظلم کے ذریعہ ہی جمع ہوتا ہے۔ ہم جو اکثر و بیشتر یورپ کا ذکر کرتے ہیں، اس سے ہمارا مقصد یورپ کی حرفت (Technology) میں ترقی ہے، البتہ یورپ کی سرمایہ داری کو ہم لعنت سمجھتے ہیں۔ افسوس کہ جس طرح دینی معاملات میں شرک نے آگ لگادی ہے، رفاہیت بالغہ نے بھی اسی طرح مسلم معاشرے کو تباہ کر دیا ہے۔

انقلاب دشمنوں کی مزید علامات :

وَاِذَا تُتْلٰى عَلَيْهِمْ اٰيٰتُنَا بَيِّنٰتٍ قَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّا رَجُلٌ يُّرِيْدُ اَنْ يَّصُدَّكُمْ عَمَّا كَانَ يَعْبُدُ اٰبَآؤُكُمْ وَقَالُوْا مَا هٰذَآ اِلَّآ اِفْكٌ مُّفْتَرًى ؕ وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِلْحَقِّ لَمَّا جَآءَهُمْ اِنْ هٰذَآ اِلَّا سِحْرٌ مُّبِيْنٌ ﴿۴۳﴾

(اور جب ان کو ہماری کھلی کھلی آیتیں سنائی جاتی ہیں تو وہ کہتے ہیں کہ یہ تو بس ایک شخص ہے جو چاہتا ہے کہ تم کو ان سے روک دے جن کی تمہارے باپ دادا عبادت کرتے تھے، اور انہوں نے کہا، یہ تو محض ایک جھوٹ ہے گھڑا ہوا، اور ان منکروں کے سامنے جب حق آیا تو انہوں نے کہا کہ یہ تو بس کھلا ہوا جادو ہے۔)

عمرو بن لحیی سے پہلے مکہ کی سوسائٹی ابراہیم علیہ السلام کی دین کی تابعدار تھی، لیکن جب عمرو بن لحیی نے ان میں شرک کی بنیاد ڈالی تو اس کے بعد سوسائٹی کے اکثر حصہ میں شرک آگیا۔ نبی ﷺ نے پھر انہیں دین حنیف کی طرف بلایا، لیکن یہ مشرک ناسمجھی کی وجہ سے قرآن کو جادو سمجھتے تھے۔

وَمَآ اٰتَيْنٰهُمْ مِّنْ كُتُبٍ يَّدْرُسُوْنَهَا وَمَآ اَرْسَلْنَآ اِلَيْهِمْ قَبْلَكَ مِنْ نَّذِيْرٍ ﴿۴۴﴾

(اور ہم نے ان کو کتابیں نہیں دی تھیں جن کو وہ پڑھتے ہوں اور ہم نے تم سے پہلے ان کے پاس کوئی ڈرانے والا نہیں بھیجا)

غرض کہ جس انقلاب کا وہ انکار کر رہے ہیں، اس کے لئے ان کے پاس کسی الہامی کتاب کی دلیل نہیں ہے۔

وَكَذَّبَ الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِهِمْ ۙ وَمَا بَلَغُوْا مِعْشَارَ مَآ اٰتَيْنٰهُمْ فَكَذَّبُوْا رُسُلِىْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ نَكِيْرِ ﴿۴۵﴾ قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا ۚ مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ؕ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَىْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ﴿۴۶﴾

(اور ان سے پہلے والوں نے بھی جھٹلایا اور یہ اس کے دسویں حصہ کو بھی نہیں پہنچے جو ہم نے انکو دیا تھا۔ پس انہوں نے میرے رسولوں کو جھٹلایا، تو کیسا تھا ان پر میرا عذاب! کہو میں تم کو ایک بات کی نصیحت کرتا ہوں۔ یہ کہ تم خدا کے واسطے کھڑے ہو جاؤ، دو، دو اور ایک ایک، پھر سوچو کہ تمہارے ساتھی کو جنون نہیں ہے۔ وہ تو بس ایک سخت عذاب سے پہلے تم کو ڈرانے والا ہے۔)

انقلاب کی ابتداء :

جب کسی قوم میں انقلاب آتا ہے تو شروع میں اس کی تعلیم، ترویج واشاعت کے حامل افراد پیدا ہوتے ہیں۔ سابقہ رجائیت پسند جماعتیں اپنی تعداد کے بل پر اس انقلابی تعلیم کا انکار کرتی ہیں۔ وہ انکار کرنا ان کی حماقت اور بے وقوفی ہوتا ہے۔ ان رجعت پسند پارٹیوں کے پیروکاروں کو چاہئے کہ اسے توڑ کر نئی پارٹی بنائیں، ورنہ انقلاب کے آتے ہی وہ

اپنے اعمال پر پشیماں ہو کر گڑگڑائیں گے، اور اپنی جان بچانے کی خاطر منت سماجت پر آمادہ ہو جائیں گے۔ لیکن اس وقت انہیں معاف نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ باغی کو بغاوت اور گرفت سے پہلے تو معاف کیا جاسکتا ہے، لیکن بعد میں اسے معاف نہیں کیا جائے گا۔

معلوم ہونا چاہئے کہ حکومت کے لئے سوسائٹی ایک روح کی مانند ہے۔ چنانچہ جب سوسائٹی تباہ ہو گی تو حکومت جلد شکست کھا جائے گی۔ قریش کو قدیم جماعت پر بھروسہ تھا، چنانچہ نبی کریم ﷺ کی تعلیم کو خام خیالی اور دیوانگی قرار دیتے تھے۔ نبی کریم ﷺ کو حکم ہوا کہ آپ انہیں سمجھائیں کہ میں آپ کو نصیحت کرتا ہوں کہ ایک یا دو دو مل کر غور کرو۔ آپ کو میری صداقت کا علم ہو گا۔ چونکہ آپ کے اجتماع میں یہ ادراک نہیں رہا اسلئے آپ خدا سے ادراک مانگیں۔ ایک یا دو افراد پر بوجھ کم ہو گا۔ معلوم ہوا کہ ابتداء میں جماعت کے صالح اور نیک افراد کی علیحدہ تربیت کی جائے اور انہیں غفلت سے بیدار کیا جائے۔ انہیں احساس دلایا جائے کہ غفلت حکومت اور معاشرے کے لئے تباہی کا باعث بنتی ہے۔

نبی کریم ﷺ قریش کو غفلت سے بیدار کر رہے تھے۔ جو لوگ رسول ﷺ کو (نعوذ باللہ) دیوانہ کہتے تھے اس کے رد کے لئے مندرجہ ذیل چار احکامات بیان ہوئے ہیں۔

قُلْ مَا سَاَلْتُكُمْ مِّنْ اَجْرٍ فَهُوَ لَكُمْ ؕ اِنْ اَجْرِیَ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ ۚ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَیْءٍ شَهِیْدٌ ﴿۴۷﴾

(کہو کہ میں نے تم سے کچھ معاوضہ مانگا ہو تو وہ تمہارا ہی ہے۔ میرا معاوضہ تو بس اللہ کے اوپر ہے اور وہ ہر چیز پر گواہ ہے۔)

غرض کہ دیکھنا یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ جو کام کرتے ہیں اور جو فنڈ جمع ہوتا ہے، وہ اپنے گھر لے جاتے ہیں، یا وہ قوم پر استعمال ہوتا ہے۔ ظاہر ہے کہ آپ ﷺ قوم پر خرچ کرتے تھے اور اجر نہ لیتے تھے۔

اسی طرح دیکھنا ہے کہ قرآن حکیم کے قانون کے تحت جب وہ حکومت قائم کریں گے، تو اپنے بیٹے یا کسی عزیز کے ہاتھ میں حکومت کی قیادت دینگے یا قوم کا کوئی ایک منتخب فرد اس حکومت کو سنبھالتا ہے۔ تو پھر ایسی شخصیت کو مجنوں یا دیوانہ کیونکر کہا جائے؟ جن لوگوں نے یہ پروپیگنڈا شروع کیا کہ خلافت قریش نسل کو ہی کیوں ملی، وہ قرآن کو صحیح طور پر نہیں سمجھتے۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ کو کہا گیا کہ آپ نبی کریم ﷺ سے خلافت کے متعلق سوال کریں۔ جواب میں حضرت علی رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر رسول کریم ﷺ میرے پوچھنے پر انکار کر دیں تو پھر ہمیں عام لوگوں کی طرح بھی خلافت کا حق حاصل نہیں ہو گا۔

دوسرا حکم :

قُلْ اِنَّ رَبِّیْ یَقْذِفُ بِالْحَقِّ عَلَّامُ الْغُیُوْبِ ﴿۴۸﴾

(کہو کہ میرا رب حق کو (باطل پر) مارے گا' وہ چھپی چیزوں کو جاننے والا ہے۔)

یعنی انقلاب ضرور آئے گا اور حق سے باطل کا سر ٹکرائے گا۔ پھر تمہیں معلوم ہوگا کہ دیوانہ اور مجنوں کون ہے۔ غرض کہ کسی بھی سچے انقلابی کی گفتگو کو وہم اور دیوانگی نہ سمجھا جائے۔

تیسرا حکم :

قُلْ جَآءَ الْحَقُّ وَمَا یُبْدِئُ الْبَاطِلُ وَمَا یُعِیْدُ ﴿۴۹﴾ (کہو کہ حق آگیا اور باطل نہ آغاز کرتا ہے اور نہ اعادہ۔)

حق اور باطل کے معنی :

عام طور پر علماء کرام حق کے معنی کلمہ توحید اور باطل کے معنی شرک لیتے ہیں۔ اس حد تک تو صحیح ہے، لیکن دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ زبانی طور پر کلمہ توحید پڑھا جاتا ہے، لیکن عمل میں کوتاہی ہے۔ بعض مرجیہ عمل کو فضول سمجھنے والے فروع فقہی میں اپنے کو حنفی قرار دے کر عمل سے گریز کی اشاعت کرتے رہے۔ ان سے مسلمانوں کی عملی قوت کو زیادہ نقصان پہنچا۔ ہمارے متقیوں میں سے کچھ ایسے مرجیہ ہیں، لیکن محققین کا مذہب یہ ہے کہ عمل بھی ایمان کا جزو ہے۔ اس عمل سے مراد نیت، عزم مصمم اور دل کا عمل ہے۔ وہ ہی ایمان کا جزو ہے۔ باقی دوسرے عضوؤں کا عمل اسے مکمل کرنے والا ہے۔ محقق ابن الھمام نے اپنی کتاب ''مسامرہ'' میں اس کی بڑی عمدہ تحقیق کی ہے۔

ایک انگریز نے مسلمانان ہند کے متعلق ایک کتاب لکھی ہے۔ وہ لکھتے ہیں کہ ''ہندوستان میں مسلمانوں کے لئے اگر کوئی مستقل مرکز ہے تو وہ دیوبند ہے، اور وہاں عملی قوت موجود ہے''۔ غرض کہ جس آدمی کی نیت سچی اور عزم مصمم ہے، وہ ضرور میدان عمل میں اترے گا۔ حضرت امام شاہ ولی اللہؒ باطل سے مراد کسریٰ اور قیصر کی حکومت اور حق سے حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی حکومت اور خلافت مراد لی ہے۔ ہم اسے پیش نظر رکھتے ہوئے حق سے مراد قرآنی احکامات کا اجراء اور باطل سے غیر قرآن کی حکومت کا اجراء لیتے ہیں۔

چوتھا حکم :

قُلْ اِنْ ضَلَلْتُ فَاِنَّمَآ اَضِلُّ عَلٰی نَفْسِیْ ۚ وَاِنِ اهْتَدَیْتُ فَبِمَا یُوْحِیْٓ اِلَیَّ رَبِّیْ ؕ اِنَّهٗ سَمِیْعٌ قَرِیْبٌ ﴿۵۰﴾

(کہو کہ اگر میں گمراہی پر ہوں، تو میری گمراہی کا وبال مجھ پر ہے اور اگر میں ہدایت پر ہوں تو یہ اس وحی کی بدولت ہے جو میرا رب میری طرف بھیج رہا ہے۔ بے شک وہ سننے والا ہے، قریب ہے۔)

غرض کہ قریش کو سمجھایا جاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ہدایت کے دعویٰ کی بنیاد کیا ہے؟ اپنے عقل سے بیان کرتے ہیں یا کتاب الٰہی گذشتہ انبیاء علیہم السلام جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تعلیم کی بنیاد پر ہے۔ قریش مذکورہ انبیاء کو مانتے تھے۔ انہیں غور و فکر کی دعوت دی جاتی ہے کہ اگر میں صرف اپنے بل پر کام کروں تو میں بھی گمراہ ہو جاؤں گا۔ اگر تم غور و فکر سے کام لو تو یہ بات واضح ہے کہ میری ہدایت کا دعویٰ اللہ تعالیٰ کی وحی اور گزشتہ انبیاء علیہم السلام کی تعلیمات کے مطابق ہے۔ یہ باتیں مخالفین کو غور و فکر میں مدد دیں گی اور انہیں ہٹ دھرمی سے باز رکھیں گی۔ لیکن اگر انہوں نے غور و فکر سے کام نہیں لیا، تو ان پر انقلاب آکر رہے گا۔ پھر نجات کی کوئی صورت نہیں رہے گی۔

وَلَوْ تَرٰٓى اِذْ فَزِعُوْا فَلَا فَوْتَ وَاُخِذُوْا مِنْ مَّكَانٍ قَرِيْبٍ ۝ وَّقَالُوْٓا اٰمَنَّا بِهٖ ۚ وَاَنّٰى لَهُمُ التَّنَاوُشُ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝

(اور اگر تم دیکھو' جب یہ گھبرائے ہوں گے۔ پس وہ بھاگ نہ سکیں گے اور قریب ہی سے پکڑ لئے جائیں گے۔ اور وہ کہیں گے کہ ہم اس پر ایمان لائے۔ اور اتنی دور سے ان کے لئے اس کا پانا کہاں۔)

غرض کہ جب انقلاب کا صور پھونکا گیا تو پھر انقلاب کے دشمنوں کو بھاگنے اور معافی تلافی کا کوئی راستہ نہیں ہے۔

وَّقَدْ كَفَرُوْا بِهٖ مِنْ قَبْلُ ۚ وَيَقْذِفُوْنَ بِالْغَيْبِ مِنْ مَّكَانٍۢ بَعِيْدٍ ۝ وَحِيْلَ بَيْنَهُمْ وَبَيْنَ مَا يَشْتَهُوْنَ كَمَا فُعِلَ بِاَشْيَاعِهِمْ مِّنْ قَبْلُ ۭ اِنَّهُمْ كَانُوْا فِيْ شَكٍّ مُّرِيْبٍ ۝

(اور اس سے پہلے انہوں نے اس کا انکار کیا۔ اور بن دیکھے دور جگہ سے باتیں پھینکتے رہے اور ان کی اور انکی آرزو میں آڑ کر دی جائے گی، جیسا کہ اس سے پہلے ان کے ہم مشربوں کے ساتھ کیا گیا۔ وہ بڑے دھوکے والے شک میں پڑے رہے۔)

تنبیہ :

آخر میں نوجوانوں سے ہماری اپیل ہے کہ وہ اسلام کی انقلابی دعوت کو اپنے دور کے تقاضوں کے مطابق سمجھنے کی کوشش کریں۔ اس ملک میں انقلاب ضرور آئے گا۔ آپ لوگوں کی اگر موجودہ حالت میں تعطل قائم رہا اور اسلام کو صحیح طور پر سمجھنے کی کوشش نہ کی گئی تو اس انقلاب کا نتیجہ ہمارے دین اسلام کے لئے خطرناک ثابت ہوگا۔ بخارا جیسے قدیم علمی اور اسلامی مرکز میں انقلاب کو نہ روکا جاسکا۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ انقلاب کو آنے سے پہلے اسے سمجھنے کی

کوشش کی جائے اور نوجوانوں کو بیدار کیا جائے۔ عصر حاضر میں اسلام کی بقاء کی جدوجہد امام شاہ ولی اللہ کے افکار سمجھے بغیر نہیں ہو سکتی۔

فوجی نظام :

آپ نے اپنی آنکھوں سے ترکی کی شکست دیکھی۔ ترکی خلافت کو ہم مرکزی حکومت کہتے تھے۔ گزشتہ (پہلی) جنگ عظیم میں ترکی نے لاکھ فوجوں کو میدانِ جنگ میں اتارا۔ بے تحاشہ فوجی اخراجات کئے گئے۔ سولجر اگر ترکی کے تھے تو اسلحہ جرمنی کا تھا۔ اس وقت قدیم طرز پر ترکی بالکل ایک بڑی طاقت تھی اور ہمارے خلیفہ کی زندگی تک ہمیں یقین کامل تھا کہ ہم خلیفہ کی مدد سے مسلمانوں کی بقاو ترقی کا کام کر سکتے ہیں۔ بالآخر ترکی کو شکست ہوئی اور دنیا نے ایک نئے نظام کو عمل میں آتے ہوئے دیکھا اور پھر ترکی بھی اس جدید طرز پر ترقی کرنے لگا اور کر رہا ہے۔ اب ہمارے نظریات میں تبدیلی آگئی ہے۔ اب بھی اگر کوئی اس پرانے شکست خوردہ نظام کا نام لے کر ترقی کا خواہاں ہے تو وہ احمق ہے اور اسے سیاست کا کوئی علم نہیں ہے اور وہ اپنے گھر میں لگی ہوئی آگ سے بے خبر ہے۔ اگر کوئی بھی قوم فوجی نظام مضبوط کرنے کی فکری اساس کو ختم کر دے تو اس کا نظام حکومت بھی تباہ ہو جائے گا۔ چنانچہ مسلمانوں میں اس وقت ایسا کوئی فوجی نظام کہیں بھی نہیں۔

ہندوستان کا مسلمان :

ہندوستان میں دو قسموں کے مسلمان ہیں۔ ایک امام مہدی کے منتظر ہیں، یعنی جب امام آئے گا تو کام کریں گے۔ بالفعل وہ اس کے منتظر ہیں۔ دوسرے وہ مسلمان ہیں جو مہدی کے انتظار میں نہیں ہیں۔ ہم آخر الذکر مسلمانوں میں سے ہیں۔ ہمارے یہاں امام مہدی کا کوئی انتظار نہیں ہے۔ عام طور پر یہ دیکھا گیا ہے کہ شکست کے بعد کچھ لوگ امام مہدی کا بہانہ بنا لیتے ہیں۔ ترکی میں بھی یہی ہوا۔ ایک پارٹی امام مہدی کی منتظر رہی کہ وہ آکر حالات بہتر بنائیں گے۔ جبکہ دوسری جماعت نے انکار کیا۔ آخر الذکر جماعت نے پہلی جماعت کو شکست دے کر قومی بقا کو تحفظ دیا۔ میں ان کا ہم خیال ہوں اور میں نے ان سے استفادہ کیا ہے۔

ایک تاریخی واقعہ :

بالاکوٹ میں (جہاں سید احمد شہید اور مولانا اسماعیل شہید کو شکست ہوئی)، ابھی تک ایک ایسی جماعت موجود

ہے، جو سید احمد صاحب شہید رحمۃ اللہ علیہ کو امام غائب جان کر ان کی آمد کے انتظار میں ہے۔ اسی طرح سرمزائی شہر میں شیعوں کی طرف سے کچھ لوگ گھوڑوں پر تیار کھڑے ہیں۔ وہ بھی امام مہدی کے منتظر ہیں۔ اصل میں یہ عقیدہ شیعیت کا تھا جو آگے چل کر اہل سنت کے اندر بھی راسخ ہو گیا۔ امام مہدی کے لئے ایک روایت سنن ترمذی میں موجود ہے۔ پہلے اس راویت کو دیکھیں۔

لاتذهب الدنیا حتی یملك العرب رجل من اهل بیتی یواطی اسمه اسمی۔ قال الامام الترمذی هذاحدیث حسن صحیح ولیس فی احادیث المهدی حدیث اصح اسنادا منه۔

یعنی دنیا کے جانے سے پہلے میرے اہل بیت میں سے عرب ملک میں ایک ایسا شخص حاکم ہو گا جس کا نام میرے نام کے مطابق ہو گا۔ مذکورہ روایت اور امام مہدی کی آمد کے متعلق بیان کئے گئے حالات کا تقابلی جائزہ لیں تو صورتحال بالکل واضح ہو کر سامنے آئے گی۔